باب دوم

دین : تاریخی پس منظر اور عقیدہ

فصل اوّل لفظ دین کی تحقیق، دین وملت کا فرق۔

فصل دوم دیان کا تاریخی پس منظر

فصل سوم الہامی اور غیر الہامی ادیان۔

فصل چہارم عقیدہ کی اہمیت وضرورت۔

فصل پنجم عقیدہ قرآن وسنت کی روشنی میں۔

فصل ششم عقیدہ فلاسفہ کی روشنی۔

فصل اوّل

لفظ دین کی تحقیق و دین وملت کا مفہوم

گذشتہ باب میں معاشرے کے تاریخی ارتقاء اور معاشرتی اداروں میں مذہب کے کردار پر بحث کی گئی تھی، جس سے واضح ہو گیا کہ ہردور میں مذہب معاشرے کا بنیادی عنصر رہا ہے۔ انسانی معاشروں پر مذہب کا اتنا گہرا اثر رہا ہے کہ بعض اوقات معلوم ہوتا ہے کہ مذہب ہی واحد معاشرتی رکن ہے۔ تاہم ابتدائی معاشروں میں مذہب کے ساتھ ساتھ دوسرے عوامل بھی کارفرما رہے ہیں۔ البتہ اتنا ضرور تھا کہ مذہب کا رنگ دوسرے عوامل کے مقابلے میں نمایاں تھا۔ جس کی بنیاد انسانی فطرت اور اس کے روحانی میلانات اور رجحانات پر تھی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان فطری طور پر لامحدود اور جاوداں اشیاء کی معرفت، کلی قوانین اور آفاقی حقائق کا طالب رہا ہے، اور ہر انسان کی جبلت میں قابل پرستش ومقدس حقائق وواقعات کے میلانات ہیں۔ دین ومذہب انسان کی اس فطری ضرورت کی تکمیل کرتا ہے۔ اس باب میں دین وملت اور عقیدہ کا تاریخی اور تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

لفظ دین کی تحقیق

دوسرے الفاظ کی طرح لفظ دین بھی عربی لغت میں مختلف معنوں میں مستعمل ہے،جن میں اطاعت وانقیاد،ذلیل کرنا یا محاسبہ کرنااوردین بمعنی حال،جزاوسزا،وغیرہ شامل ہیں۔

دین بمعنی اطاعت وانقیاد:۔

عربی میں کہا جاتا ہے کہ "وقد دنتهٗ ودنت لهٗ، أی أطعتهٗ"یعنی اس نے اطاعت کی۔عمروبن کلثوم کہتا ہے

أیاماً لنا عزاً کراماً:::::عصینا الملك فیها ان ندینا (1)

''ہمارے دن بڑے اچھے تھے، جن میں ہم نے بادشاہ کی اطاعت کیلئے نافرمانی کی''۔

دین حال کے معنی بھی آتا ہے۔نضر بن شمیل نے اعرابی سے پوچھا تو کہا: "لو لقیتنی علیٰ دین غیر

---

(1) ابن منظور، لسان لعرب،الجزء السابع عشر،مادہ ''دین'' ص،۲۷

هذه لاخبرتك" (1)اگر آپ اس حال کے علاوہ ملتے تو میں بتا دیتا۔ اس کے علاوہ دین السلطان،الورع،قہر اور معصیت کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔''الدین'' مصدر اور''والدین''اسم ہے، جیسا کہ مثل مشہور ہے''کما تدین تدان'' یعنی جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ اسی طرح خویلد بن نوفل الکلابی کے ان اشعار سے، جو انہوں نے حرث بن ابی شمر نعمانی کو مخاطب کر کے کہے تھے، بھی اسی معنی کی وضاحت ہوتی ہے:

"یا ایهاالملك المخوف أماتریٰ::: لیلاً وضحاً کیف یختلفان

هل یستطیع الشمس ان تأ تی بها:: لیلاً وهل لك بالملك یدان.

یا حارث أیقن ان ملکك ذائل:: واعلم بأن کما تدین تدان" (2)

اے ڈرانے والے بادشاہ! کیا تم نہیں دیکھتے کہ دن رات کس طرح ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں؟ کیا سورج کو تم رات کے وقت لاسکتے ہو اور کیا تمہارا اس میں کوئی بس چلتا ہے؟ اے حارث تمہاری بادشاہت زائل ہونے والی ہے اور جان لو کہ جیسا کروگے ویسا بھروگے۔''

اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

عَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ (3)

یعنی جب ہم مرگئے اور مٹی ہو گئے اور ہڈیاں، کیا ہم کو جزا ملے گی۔

مختصر یہ کہ عربی میں دین اطاعت وانقیاد، جزاوسزا، حال، تعبد، شان، قہر، غلبہ، واقتدار، مالکانہ اور حاکمانہ تصرف اور دوسروں پر فیصلہ نافذ کرنے کے معنوں میں آیا ہے۔ جبکہ اصطلاح میں دین عقائد وعبادات اور شعائر وعلامات کا وہ نظام ہے جس کے تحت انسان انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرتا ہے۔

عقائد انسان کے ان پختہ، غیر متزلزل اور غیر مشکوک خیالات وافکار کا نام ہے جو انسان کے دل ودماغ میں رچ بس جائے۔ دوسرے الفاظ میں عقیدہ وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے اور اس کے دائرہ حیات کا ہر خط بھی اسی نقطے پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ عبادات وسیع تر معنوں میں عقائد کے نتیجے میں انسانی اعمال افعال کا نام ہے، تاہم عبادات کا اطلاق عام طور پر ان انسانی اعمال پر کیا جاتا ہے جو مذہبی عقائد کی روشنی میں ادا ہوتے ہیں اور مذہبی تقدس رکھتے ہیں۔ عبادات عقائد کے عملی مظاہر ہوتے ہیں۔ معاشرتی تنظیم وافراد کی کردار سازی عبادات کے ذریعے کی جاتی ہے۔

---

(1) ابن منظور، لسان لعرب، الجزء السابع عشر، مادہ''دین''، ص ۲۸

(2) ایضاً

(3) القرآن، ۳۷:۵۳

علامات کی تخلیق اور اس کا استعمال انسان کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے جانور صرف اشارات کا استعمال ہی کر سکتے ہیں۔ علامات کے بغیر انسان کی معاشرتی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ اشیاء کی پہچان علامات کے ذریعے کی جاتی ہے۔ جبکہ مذہبی علامات کسی بھی مذہب کی امتیازی شان اور اس کی پہچان کے ذرائع ہوتے ہیں۔ (1)

قرآن میں لفظ دین ساخت اور بناوٹ کی اختلاف کے ساتھ ۹۵ بار آیا ہے۔ ۶۶ دفعہ اسم مصدر اور ۲۸ بار حالت اضافی کے ساتھ اسم اشارہ، اس کا دین، ان کا دین، تمہارا دین، اور میرا دین کی صورت میں آیا ہے۔ صرف تین بار فعل کے طور پر آیا ہے۔ (2) قرآن میں دین ہمیشہ صیغۂ واحد کے طور پر آیا ہے، صیغۂ جمع کے طور پر کبھی بھی نہیں آیا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن میں دین تین مفاہیم رکھتا ہے۔

(۱) دین ''مذہب'' کے مفہوم کے طور پر

(۲) دین، فیصلہ، حکم اور جزا وسزا کے مفہوم کے طور پر

(۳) دین رسم ورواج یا مسلک وقانون کے معنیٰ میں

(۱) دین ''مذہب'' کے مفہوم کے طور پر:

قرآنی نقطہ نظر سے ''دین'' بنیادی طور پر اطاعت، فرمانبرداری، بندگی اور طرز زندگی کیلئے استعمال ہوا ہے۔ انسان اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کرے، معاشی اور معاشرتی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کو مدنظر رکھے، تو اس کو ''دین اسلام'' کا نام دیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ (3)

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کا دین حکم برادری ہی ہے۔

ایک اور آیت میں بھی دین اطاعت اور فرمانبداری کا نام بتایا گیا ہے۔ یہ بھی کہ آسمان وزمین اور تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے مطیع واطاعت گزار ہیں۔

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ (4)

---

(1) Encyclopedia of Sociology. Vol. 2, P. 1094.

(2) Aasi, Ghulam Haider, Muslim understanding of other Religions. International Institute of Islamic Thought and Islamic Research Institute, Islamabad, 1999, P. 3.

(3) القرآن، ۳:۱۹

(4) ایضاً، ۳:۸۳

تمام انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار تھے اور انسانوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف بلاتے تھے۔

جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں بتایا گیا کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو دین اسلام پر کاربند رہنے کی وصیت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (1)

اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اسی ملت کی وصیت کی اور اسی کی وصیت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو کی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے دین اسلام کو منتخب کیا، اور تم نہ مرنا مگر اسلام کی حالت پر۔

دین خالص عقیدہ ایمان کے معنی میں بھی قرآن میں آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ دین کے معاملے میں کسی پر بھی کوئی جبر نہیں ہے، البتہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اس نے گویا نہ ٹوٹنے والی رسی پکڑ لی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۟ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (2)

دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ تو جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط رسی پکڑ لی جو ٹوٹنے والی نہیں ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

دین صرف الوہی احکام کی پیروی اور اطاعت کا نام ہی نہیں بلکہ یہ معاشرے کے افراد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں سرانجام پانے والے اعمال وافعال اور قواعد وضوابط سے عبارت ہے جو یا تو انسان خود اپنے لئے وضع کرتا ہے یا پھر وحی اور الہام کے ذریعے اس تک پہنچتے ہیں۔ قرآنی آیات کے مطابق صرف دین اسلام یعنی اللہ تعالیٰ کی پیروی اور اس کے احکامات کی تعمیل سے دنیا وآخرت میں نجات و فلاح مل سکتی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

---

(1) القرآن، ۲:۱۳۲ (2) ایضاً، ۲:۲۵۶

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (1)

اور جو کوئی چاہے سوائے اسلام کے کوئی اور دین، سو اسے ہرگز قبول نہیں ہو گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

دین اس معاشرتی طرزِ عمل کا نام ہے جس میں بنیادی تصورات، عقائد وایمان اور افکار کو اساس بنایا گیا ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق معاشروں کی تشکیل اور اقوام وملل کے بننے اور بگڑنے میں انہی افکار اور عقائد وایمانیات کی قوت کارفرما ہوتی ہے۔ ملت اسلامیہ کی بنیاد واساس بھی یہی عقائد وایمانیات ہیں۔ مکہ میں اعلان نبوت کے بعد مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ کو یہ پیشکش کی کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کیا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ (2) گویا ایک طرح شرک وتوحید کے مرکب معاشرے کا تصور پیش کیا جس پر سورۃ الکافرون نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ (3)

یعنی تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔

جس سے معلوم ہوتا ہے دین قرآنی اصطلاح ہر قسم کی شرک سے پاک عقائد وافکار اور اس کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کا نام ہے۔

ایک دوسری آیت کے مطابق دین سلسلہ نبوت اور تمام انبیاء کرام کے پیش کردہ طرزِ فکر اور طرزِ عمل کو کہا گیا ہے، جن کی تعلیم آدم علیہ السلام سے نبی کریم ﷺ تک ہر نبی نے اپنی قوم کو دی ہے، اور انہی بنیادوں پر استوار معاشرے کو ملت اسلامیہ کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَاوَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (4)

اللہ نے تمہارے واسطے وہی دین مقرر کیا ہے، جس کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا اور

---

(1) القرآن، ۳:۸۵

(2) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۹۹۶، ج۸، ص۸۳۲

(3) القرآن، ۱۰۹:۶ (4) ایضاً، ۴۲:۱۳

جس کا ہم نے ابرہیمؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

(۲) دین، فیصلہ، حکم اور جزاوسزا کے مفہوم کے طور پر:

دین قرآن میں جزا وسزا اور حکم و فیصلہ کے معنی میں بھی آیا ہے، جس کو یوم القیامۃ اور یوم الحساب بھی کہا گیا ہے۔ اس سے مراد وہ دن یا زمانہ ہے جب انسان کی یہ مادی زندگی ختم ہو جائے گی اور دوسری زندگی شروع ہو جائے گی، جس کو اسلام میں عقیدہ حیات مابعد الممات اور ہندومت میں عقیدہ تناسخ کہا جاتا ہے، گوکہ ان دونوں میں فکری طور پر بعد المشر قین موجود ہے۔ اسی دن انسان حق اور سچائی کا براہ راست مشاہدہ کرے گا، اچھے اور برے اعمال کے مطابق جزا وسزادی جائے گی۔ جزاوسزا اور فیصلہ وحکم کے اعتبار سے آیات میں دین کا لفظ آیا ہے جن میں چند آیات پیش کئے جاتے ہیں:

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ. وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ (1)

بے شک تم سے جس کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچ ہے اور یوم جزا وسزا ضرور ہونے والی ہے۔

یَسْئَلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ (2)

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ روز جزا کب ہوگا۔

وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ (3)

اور وہ لوگ جو روز جزاوسزا پر یقین کرتے ہیں۔

کَلَّا بَلْ تُکَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ (4)

ہرگز نہیں بلکہ تم لوگ روز جزاوسزا کو جھٹلاتے ہو۔

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ (5)

اور تمہیں کیا معلوم کہ روز جزا وسزا کیا ہے۔

(۳) دین رسم ورواج یا مسلک وقانون کے معنٰی میں :

رسوم ورواج اور قانون ومسلک کسی بھی معاشرے کی عقائد اور طرز فکر کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ جو معاشرہ کسی مذہب کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے اس کے رسوم ورواج بھی مذہبی تقدس رکھتے ہیں، قانون اور اجتماعی

---

(1) القرآن، ۵۱:۵۔۶ (2) ایضاً، ۵۱:۱۲، ۔ (3) ایضاً، ۷۰:۲۶۔

(4) ایضاً، ۸۲:۹۔ (5) ایضاً، ۸۲:۱۷۔

فیصلے دین ومذہب ہی کے تابع ہوتے ہیں اس لئے قرآن میں دین کا لفظ قانون اور فیصلے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

مَا كَانَ لِيَأْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (1)

اور وہ ہرگز اس بادشاہ کے قانون میں بھائی کو نہ لے سکتا تھا مگر جو اللہ چاہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے :

وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ (2)

اور تم کو ان پر اللہ کے حکم چلانے میں ترس نہ آئے۔

اصطلاح میں دین اس نظام فکر وعمل، ضابطہ حیات، قانون اوراسی کی اطاعت اور خود سپردگی کو کہا جاتا ہے، جس کے مطابق معاشرے کے افراد اپنی اجتماعی اورانفرادی زندگی بسر کرتے ہیں۔ گویا دین ان عناصر اربع کا نام ہے جنہیں حاکمیت واقتدار اعلیٰ، نظام فکر وعمل، تسلیم ورضا اور جزا وسزا کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دین کا مطلب یہ ہے کہ انسان حاکمیت اور قتدار اعلیٰ کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے مختص کرے، کوئی بھی اس کے ساتھ فکر وعمل کے اعتبار سے، شریک نہ کرے۔ اس ضابطہ حیات اور قانون کی پابندی کرے، اس فیصلے، حکم اور قانون کو منشائے کلام مان کر زندگی بسر کرے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر نے بتائے ہوں۔ اس کے برعکس جو کسی بھی انسان یا اور مخلوق کے حکم اور فیصلے کو منشائے کلام مان کر اس کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے وہ اسی کے دین پر ہے۔ قرآن نے اس نظام وفکر عمل اور ضابطہ حیات کو، جیسے دین کہتے ہیں، اسلام کا نام رکھا ہے جس میں اطاعت وخودسپرگی اور سلامتی جیسے مفاہیم پنہاں ہیں۔

اسی طرح دوسرے معاشروں میں بھی اس کیلئے متعدد مشتقات ملتی ہیں۔ آرامی زبان سے دین کا لفظ ایران پہنچا اور پہلوی زبان میں ''دینیہ'' نے شریعت وقانون کا مفہوم پیدا کیا۔ اوستا میں ایک سے زیادہ موقعوں پر یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے، جبکہ زرتشتیوں کے قدیم ادبیات میں انشاء وکتابت کے آئین وقواعد کو بھی ''دین دبیرہ'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس کے علاوہ زرتشتیوں کی ایک مذہبی کتاب کا نام بھی ''دین کارت'' ہے جو کہ نویں صدی عیسوی کے ایک عراقی موبد کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔ (3)

انگریزی میں اس کیلئے لفظ ''Religion'' ہے جس کا اردو ترجمہ مذہب کیا جاتا ہے، جو کہ لاطینی زبان کے لفظ ''Religio'' سے ماخوذ ہے۔ یہ لفظ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے رومی مصنفین لکریٹیس (Lucretuis) اور

---

(1) القرآن، ۱۲:۷۶۔ (2) ایضاً، ۲۴:۲۔

(3) ابوالکلام احمد آزاد، ترجمان القرآن، ج ۱، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلیشرز لاہور، ص ۳

سیسرو (Cicero) کے ہاں ملتا ہے۔ لکریٹیس کی نظم ''On the Natureof Things'' اور سیسرو کی کتاب ''On The Nature of God'' میں یہ لفظ مذہبی رسوم اور مخصوص اعمال کی ادائیگی کے معنوں میں آیا ہے۔ اس میں سیسرو کا رجحان زیادہ تر انفرادی شخصیت اور داخلی موضوعیت کی طرف رہا ہے۔ اس کے نزدیک مذہب یا دین یعنی Religio محض ایک رویئے کا نام ہے۔ اس کے برعکس لکریٹیس کے ہاں مذہب معروضیت اور واقعیت پسندی ہے جس میں دوسرے افراد بھی شریک ہوتے ہیں۔ گویا سیسرو کا مذہبی رجحان انسان کی فکر اور ذاتی زندگی تک محدود ہے جبکہ لکریٹیس مذہب کو تمام تر انفرادی اور اجتماعی اور معاشرتی زندگی پر محیط سمجھتے ہیں۔ (1)

ہندوؤں میں مذہب کیلئے سنسکرت لفظ ''دھرم'' مستعمل ہے جو کہ صرف عقائد، عبادات اور مذہبی رسومات کا نام ہی نہیں بلکہ اس کا اطلاق سارے اخلاقی قوانین اور کل انسانی فرائض وذمہ داریوں پر ہوتا ہے جیسا کہ جواہر لال نہرو اپنی کتاب ''تلاش ہند'' میں لکھتے ہیں :۔

> ''ہندوستان میں مذہب کیلئے پرانے زمانے میں ''آریا دھرم'' کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ دھرم کا مفہوم محض مذہب کے مفہوم سے کچھ زیادہ ہے۔ اس کا مادہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی ہیں برقرار رکھنا۔ دھرم کسی شئے کے اندرونی نظام یا اس کے آئینی وجود کا نام ہے۔ یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو سارے اخلاقی قوانین اور کل انسانی فرائض اور ذمہ داریوں کا احاطہ کرتی ہے''۔ (2)

آریا سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کے نزدیک ہندو دھرم سچائی کا علم، باہمی اتحاد ومحبت سے عبارت ہے، جس کے اصول شرم (تدبیر اور سعی ومحنت) تپ (دھرم کی پابندی) گیان (پرمیشور کی معرفت) اور ستیہ یعنی شاستروں کے علوم ہیں، جس پر عمل کرنے سے انسان کو حشمت واقبال یعنی حسب دلخواہ دنیوی سکھ حاصل ہوتا ہے۔ (3)

یہودیت میں دین یا مذہب کیلئے قانون موسیٰؑ، کتاب موسیٰؑ یا صرف قانون کے اصطلاحات پائے جاتے ہیں، جو کہ نظریات، عقائد، قوانین، عبادات، الہامی کتب، اقدار، نسلی اور مذہبی تاریخ کے مظہر ہیں۔ قانون یا شریعت موسوی یہودیوں کی مذہبی زندگی کی آئینہ دار ہے، جس کی پیروی مذہبی پیشواؤں اور ربیوں پر ضروری نہیں

---

(1) Ali Quli Qaria, The Meaning and End of Religion: A Critical Analysis of W.C Smith's Approach. Al-Tawhid, A Quarterly Journal of Islamic thought and Culture, April-June 1986, Tablighat-e-Islami, Tehran, Iran, P. 167.

(2) نہرو، جواہر لال، تلاش ہند، تخلیقات علی پلازہ مزنگ روڈ لاہور، ۲۰۰۴، ص ۹۰

(3) سوامی دیانند سرسوتی، رگ وید ایک مطالعہ، اردو ترجمہ نہال سنگھ، نگارشات، مزنگ روڈ لاہور، ۲۰۰۵، ص ۶۵ تا ۷۶

بلکہ اس کی اطاعت یہودی بادشاہ اور معاشرے کے ہر فرد کیلئے لازم تھی۔ یہاں تک غیر یہودی جو اسرائیلی حکومت میں رہتے تھے ان کیلئے بھی لازم تھا کہ وہ قانون یا دین کی پاسداری کرے، جیسا کہ یشوع کی باب نمبر۸ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ:

''اوراس نے وہاں ان پتھروں پر موسیٰ کی شریعت کی، جو اس نے لکھی تھی، جب بنی اسرائیل اور ان کے بزرگ اور منصب دار قاضی یعنی دیسی اور پردیسی دونوں لاوی کاہنیوں کے آگے جو خداوند کے عہد کے صندوق کے اٹھانے والے تھے صندوق کے ادھر ادھر کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد اس نے شریعت کی سب باتیں، یعنی برکت اور لعنت، جیسی شریعت کی کتاب میں لکھی ہوئی ہیں، پڑھ کر سنائیں''۔ (1)

یشوع نے جو آخری خطبہ بنی اسرائیل کو دیا تھا اس میں وہ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''سوتم خوب ہمت باندھ کر جو کچھ شریعت موسیٰ میں لکھا ہے اس پر چلنا اور عمل کرنا تا کہ تم اس سے دائیں یا بائیں ہاتھ کو نہ موڑو۔ اور ان قوموں میں جو تمہارے درمیان ہنوز باقی ہیں نہ جاؤ اور نہ ان کے دیوتاؤں کے نام کا ذکر کرو اور نہ ان کی قسم کھاؤ اور نہ ان کی پرستش کرو اور نہ ان کو سجدہ کرو۔ بلکہ اپنے خداوند خدا سے لپٹے رہو جیسا تم نے آج تک کیا ہے''۔ (2)

کتاب مقدس کی روایت کے مطابق جب داؤدؑ قریب المرگ ہوئے تو انہوں نے اپنے بیٹے سلیمان کو جو وصیت کی اس سے یہودیت میں دین کے تصور پر روشنی پڑتی ہے۔ داؤدؑ نے سلیمانؑ سے کہا کہ:

''میں اسی رستہ جانے والا ہوں جو سارے جہاں کا ہے اس لئے تو مضبوط ہو اور مردانگی دکھا۔ اور جو شریعت موسیٰ میں لکھا ہے اس کے مطابق خداوند اپنے خدا کی ہدایت کو مان کر اس کی راہوں پر چل اور اس کے آئین پر اور اس کے فرمانوں اور حکموں اور شہاتوں پر عمل کرتا کہ تو جو کچھ کرے اور جہاں کہیں جائے سب میں تجھے کامیابی ہو''۔ (3)

---

(1) کتاب مقدس، عہد نامہ عتیق، یشوع، ۸:۳۲ تا ۳۴

(2) ایضاً، یشوع، ۲۳:۶ تا ۸

(3) کتاب مقدس، عہد نامہ عتیق، سلاطین، ۲:۱

جہاں تک عیسایت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں اسلامی نکتہ نظریہ ہے کہ عیسیٰؑ کی تعلیمات شریعت موسوی کے مطابق تھیں۔ انجیل تورات کی گمشدہ اور ان کے تحریف شدہ تعلیمات کی ازسرنو تجدید کیلئے نازل ہوا تھا۔ عیسیٰؑ اور موسیٰؑ دونوں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے، ان کی تعلیمات ایک ہی سلسلے کی کڑی تھی۔ اس لئے عیسیٰؑ کی تعلیمات میں مذہب کیلئے کوئی نیا نام استعمال نہیں ہوا، وہی قانون یا شریعت کی اصطلاح استعمال ہوئی ۔ لیکن جدید عیسایت جو کہ عیسیٰؑ کی تعلیمات کی بجائے سینٹ پال کی ذہنی اختراع ہے، موسیٰؑ کی تعلیمات سے مختلف ہے۔ تاہم سینٹ پال نے بھی اپنی تعلیمات میں قانون اور اس کی پاسدری پر زور دیا ہے۔ جس میں مذہبی تعلیمات کے ساتھ ساتھ رومی قوانین کی پابندی بھی لازم تصور کی جاتی ہے۔ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں :

> ''ہر شخص اعلیٰ حکومتوں کا تابعدار رہے، کیونکہ کوئی حکومت ایسی نہیں جو خدا کی طرف سے نہ ہو اور جو حکومتیں موجود ہے وہ خدا کی طرف سے ہیں''۔(1)

دین اور ملت

عربی میں ملت 'سنت اور طریقہ'' کو کہتے ہیں، جیسا کہ ابواسحاق کہتے ہیں :

> ''الملة فی اللغة سنتهم و طريقهم'' (2)
>
> یعنی ملت لغت میں سنت اور طریقے کو کہتے ہیں

لغات کی مستند کتاب لسان العرب کے مطابق ملت دین وشریعت کے معنی میں استعمال ہوا ہے :

> **الملة: اشريعة والدين. . . . . . . كملة الاسلام،النصرانية واليهودية.** (3)
>
> ملت شریعت اور دین کو کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔ جیسا کہ ملت اسلام، ملت نصرانی اور ملت یہودی وغیرہ۔

اصطلاح میں ملت اس اجتماعی طرززندگی کو کہتے ہیں جو ایک جماعت یا معاشرہ معاشی یا معاشرتی ضروریات کیلئے اختیار کرتا ہے۔ علامہ شہرستانی ملت کی وضاحت اور تشریح اجتماعی زندگی اور معاشی ومعاشرتی ضروریات کی تکمیل اختیار کرنے والے طرز عمل کے طور پر کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

---

(1) کتاب مقدس، رومیوں کے نام پونس کا کھلا خط، ۱۳:۱

(2) لسان لعرب، الجزء الثالث عشرة، مادہ، ملة ص ۱۸۸

(3) ایضاً

"ولما كان نوع الانسان مختاجأ الىٰ اجتماع مع آخر من جنسہٖ،فی اقامة معاشية، والاستعداد لمعادهٖ،وذالك الاجتماع يجب ان يكون علىٰ شكل يحصل به التمانع والتعاون، حتىٰ يحفظ بالتمانع ماهولهٗ ويحصل بالتعاون ماليس لهٗ،فصورةالاجتماع علىٰ هذه الهيئة هي"الملة" والطريق الخاص الذی يوصل الىٰ هذه الهيئة هو: "المنهاج""واشرعة""والسنة"ولاتفاق علىٰ تلك السنة هي"الجماعة". (1)

جب نوع بشر کو اپنی معیشت کی قیام اور بقاء کیلئے اجتماعی زندگی کی ضرورت محسوس ہوئی،اور اس اجتماعی زندگی کی قیام کیلئے تمانع اور تعاون لازم ٹھرایا گیا تاکہ تمانع کے ذریعے موجود کی حفاظت کرے اور تعاون کے ذریعے جو ان کے پاس نہیں ہیں وہ حاصل کریں۔ پس اجتماعی زندگی کی اسی صورت کو"ملت" کہا جاتا ہے، اور اس خاص طریقے کو جس کے ذریعے یہ صورت حاصل کی جاتی ہے، منہاج،شریعت اور سنت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اسی سنت پر اتفاق کا نام جماعت ہے۔

قرآنی آیات میں ملت کی اصطلاح پندرہ بار استعمال ہوئی ہے۔ دس بار اسم مصدر کے طور پر جبکہ پانچ بار اسم ضمیر کے اضافت کے ساتھ، جو کہ ہماری ملت، ان کی ملت، اور تمہاری ملت کا مفہوم رکھتا ہے، مستعمل ہے۔ آٹھ دفعہ"ملت ابراہیم" کی صورت میں اور پانچ مرتبہ ملت ابراہیم کے ساتھ حنیفاً کا اضافہ کیا گیا ہے۔محل استعمال کی رو سے ملت اس وقت "دین" کے ساتھ زیادہ مماثلت رکھتا ہے جب ملت ابراہیم کے طور پر استعمال ہو۔ البتہ"ملت"مختلف لوگوں کی جماعت کیلئے ہو تو معنی میں "امت" کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ (2)

اگرچہ قرآنی آیات میں ملت کی نسبت ابراہیمؑ کے ساتھ کی گئی ہے تاہم مجموعی طور پر ملت کی اصطلاح دوسرے مختلف مذہبی جماعتوں کے افراد کیلئے بھی استعمال کی گئی ہے۔ یہود ونصاریٰ کے علاوہ ان لوگوں کو بھی جو خدا

---

(1) علامہ شہرستانی، الملل والنحل، تخریج محمد بن فتح اللہ بدران، ج۱، مکتبہ الانجوالمورية ۱۶۵ شارع محمد فرید القاہرہ،ص۴۴

(2) ملاحظہ ہو قرآنی آیات۳:۹۵، ۴:۱۲۵، ۱۲:۳۷

اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہیں اور صرف اپنے اباؤاجداد کی تقلید کرتے ہیں، بھی ملت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (1) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملت اس اجتماعی زندگی کا نام ہے جس کو مذہبی تقدس حاصل ہو۔

اس کے علاوہ دین اسی کو کہا جاتا ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، ملت کسی نبی یا رسول کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ جبکہ مذہب کسی مجتہد کی مسلک یا طرز عمل کو کہتے ہیں۔ (2)

---

(1) ملاحظہ ہو قرآنی آیات ۷: ۸۸، ۸۹ اور ۱۲: ۳۷ اور ۱۸: ۲۰

(2) الالوری، آدم عبداللہ، تاریخ الدعوۃ الی اللہ بین الامس والیوم، مکتبہ دھبۃ ۱۴ شارع الجمہوریۃ، عابدین القاہرہ، ۱۹۸۸، ص ۲۴

فصل دوم

ادیان کا تاریخی پس منظر

دین یا ادیان کا تاریخی، ارتقائی پس منظر اور اس کے آغاز وابتداء کے بارے میں عام طور پر دو نکتہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ ایک دین یا ادیان کا تاریخی پس منظر دینی علماء اور مفکرین کے ہاں اور دوسرا لادینی مکتبہ فکر کے فلاسفروں اور دانشوروں کے نزدیک ادیان کا تاریخی جائزہ ہے۔

جہاں تک دینی علماء اور مفکرین کا تعلق ہے، انہوں نے اپنے کتب مقدسہ اور مذہبی تعلیمات کی روشنی میں کائنات کی ابتداء اور کائنات میں انسان کے مقام اور دوسرے متعلقہ مسائل پر بحث کی ہے، جس سے ادیان کے تاریخی پس منظر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ دنیا کے تمام بڑے مذاہب، ہندومت، یہودیت، عیسائیت، اسلام، بدھ مت، تاؤازم زرتشت مذہب، کنفیوشش، تمام تر اختلافات کے باوجود اس پر متفق ہیں کہ دین کی ابتداء ابوالبشر آدمؑ کی تخلیق کے ساتھ ہوگئی تھی۔ چونکہ تمام مذاہب اور کتب مقدسہ میں اسلام جدید مذہب اور قرآن سب سے محفوظ ترین کتاب ہے، اس لئے دینی نکتہ نظر سے ادیان کا تاریخی پس منظر اسلامی تعلیمات اور قرآنی آیات کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں دین کے تاریخی مطالعہ کیلئے جو اصول مقرر کئے گئے ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)۔ دین کا آغاز ابوالبشر آدمؑ کی پیدائش کے ساتھ ہوا، آدمؑ پہلے انسان اور پہلے نبی بھی تھے۔

(۲)۔ آدمؑ سے لے کر نبی کریم ﷺ تک تمام انبیاء کرام ایک ہی دین کے داعی اور مبلغ تھے۔ فروعی مسائل اور شرائع میں اختلاف کے باوجود بنیادی اور اصولی تعلیمات یکساں اور ایک جیسے ہیں۔

(۳)۔ دین ابتداء سے لے کر آخر تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسالت اور حیات مابعدالممات یا معاد کے عقائد اور اعمال صالحہ کا مجموعہ رہا ہے۔

(۴)۔ شرک، بت پرستی دین سے انحراف اور انسانی ذہن وعمل کی کج روی کا نتیجہ ہے۔ انبیاء کرام کی تعلیمات ہمیشہ سے ایک الٰہ کی عبادت اور بندگی پر مشتمل رہی ہیں۔

(۵) داعیان اور مبلغین دین، انبیاء کرام سب ایک آسمانی سلسلے میں منسلک تھے۔ وہ ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتے رہے۔ قرآن کریم اس بات کی بھی تصریح کرتا ہے کہ تمام انبیاء کرام سے اس بات کا سخت عہد وپیمان لیا گیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے مبشر ومصدق ہوں گے۔

(۶) قرآنی آیات سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ انبیاء کرام ومرسلین کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ دین کیلئے منتخب کئے تھے۔ وحی کے ذریعے وقتاً فوقتاً انسان کی رشد وہدایت کا جوانتظام اللہ تعالیٰ نے کیا تھا انبیاء کرام اسی نظام کا ایک حصہ تھے،اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ دینی تعلیمات اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور مرسلین کو اور پھر انبیاء کرام کے ذریعے تمام انسانوں تک پہنچائی ہیں۔

(۷) وحی نبوت انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ عام انسان وحی کی قبولیت سے بہرہ ورنہیں ہوتا ہے۔

(۸) دین انسان کی فطرت اور سرشت میں شامل ہے، یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی بھی انسانی معاشرہ ایسا نہیں گزرا جو دین سے خالی ہو۔

(۹) بشری تاریخ کے ہردور میں انسانی عظمت وشرف، اجتماعی ہم آہنگی، مادی اور روحانی نجات دین سے وابستہ رہا ہے۔

(۱۰) دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے، جو کہ ایمان اور عمل صالح کی دعوت پر مشتمل رہا ہے۔ (1)

تاریخی طور پر جب کرۂ ارض پر انسان کا ظہور ہوا، تو ابتداء میں انسانی معاشرہ نہایت ہی سادہ تھا، افراد کم تھے۔ تمام افراد یکساں اور فطری زندگی بسر کرتے تھے، باہمی تعلقات میں کوئی پیچدگی نہیں تھی۔ باہمی اختلاف اور مخالفت کا نام ونشان ہی نہیں تھا۔ انسانی زندگی فطرت کے قریب تھی۔ بشریت کے اس عہد میں انسان کو کسی بھی قانون یا شریعت کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے کہ تمام انسان فطری قانون کے تحت زندگی گزار رہے تھے۔ فطرت کے قریب ہونے کی بناء پر انسان اللہ تعالیٰ کی صفات اور پرستش کے طریقوں سے آگاہ تھا۔ اس لئے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اپنے فطرت پر کی اور دوسری بات یہ کہ ابوالبشر آدمؑ کو نبوت دے کر اسماء اور کلمات کی صورت میں دینی تعلیمات سے بہرہ ور کیا تھا۔

رفتہ رفتہ جب انسانی نسل میں آضافہ ہوتا گیا، اس کا پہلا اثر جمعیت بشری پر یہ پڑا کہ تمام انسان جو ایک اکائی کی صورت میں رہتے تھے، یکساں آب وہواا ور جغرفیائی حالات کے تحت زندگی گزار رہے تھے، انہوں نے کثرت تعداد اور خوارک کی قلت کی وجہ سے اپنا ابتدائی مستقر چھوڑ کر دوسرے علاقوں کی طرف نقل مکانی شروع کی۔ جس سے بشری اجتماع کی اکائی ختم ہوگئی۔ اس کے علاوہ مختلف اقالیم اور علاقوں کے آب وہوا اور جغرفیائی حالات کا انسانی فطرت پر اثر ہوتا گیا۔

اسی طرح مختلف علاقوں میں آباد ہونے کی بناء پر ضروریات زندگی، اسباب اور معیشت کے پیداواری آلات اور ذرائع میں بھی اختلاف رونما ہوا۔ جغرافیہ اور آب وہوا کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں کے رہن سہن اور طور طریقوں یہاں تک زبان اور رنگ میں بھی فرق پیدا ہوا۔ یہ فرق جب مزید گہرا ہوا تو اس نے تنازعات،

---

(1) ملاحظہ ہو قرآنی آیات، ۳:۸۱، ۲:۱۳۳، ۱۸: ۱۰، ۲۱:۲۵

لڑائیوں جھگڑوں اور حقوق کی پامالی کی صورت اختیار کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی میں دوبارہ وحدت، اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے کیلئے انبیاء کرام کا سلسلہ شروع کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں :

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (1)

اور ابتداء میں تمام انسانوں کا ایک گروہ تھا۔ پس ایسا ہوا کہ وہ باہم دگر مختلف ہو گئے اور اگر اس بارے میں تمہارے پروردگار نے فیصلہ نہ کر دیا ہوتا تو جن میں لوگ اختلاف کرتے تھے ان کا فیصلہ کر دیا جاتا۔

ایک دوسری جگہ انبیاء کی بعثت کا مقصد بھی یہی بتایا گیا ہے کہ نوع بشر جن امور میں اختلاف رکھتے تھے، انبیاء ان کے درمیان کتاب کی رو سے فیصلہ کرے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۠ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (2)

ابتداء میں تمام انسان ایک گروہ تھے پس اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو مبعوث فرمایا۔ وہ بشارت دیتے اور تنبیہ کرتے نیز ان کے ساتھ ''الکتاب'' نازل کی تاکہ جن باتوں میں وہ اختلاف کرے لگے تھے، ان میں وہ فیصلہ کرنے والی ہو۔

انبیاء کرام کی بعثت اور ان کی تعلیمات کسی ایک قوم یا ملک کیلئے مخصوص ومحدود نہیں تھیں بلکہ انبیاء کی بعثت ہر قوم کیلئے کی گئی تھی۔ چنانچہ ہر زمانے اور ہر ملک میں یکساں طور پر اس کا ظہور ہوا، دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جہاں نسل انسانی آباد ہوئی ہو اور وہاں اللہ تعالیٰ کا رسول یا نبی مبعوث نہ ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (3)

اور کوئی قوم دنیا میں ایسا نہیں جس میں متنبہ کرنے والا نہ گزرا ہو۔

---

(1) القرآن، ۱۰:۱۹، (2) ایضاً، ۲:۲۱۳

(3) القرآن، ۳۵:۲۴

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے :

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (1)

بلا شبہ تم متنبہ کرنے والے ہو اور دنیا میں ہر قوم کیلئے ہدایت کرنے والے ہو۔

انبیاء کرام کی تعلیمات ہمیشہ سے دو قسم کی باتوں سے مرکب رہی ہیں، ایک قسم تو وہ ہے جو ان کی روح اور حقیقت ہے۔ دوسری وہ ہے جس سے ان کی ظاہری شکل وصورت آراستہ کی گئی ہے۔ پہلی چیز اصل اور دوسری چیز فرع ہے۔ پس انبیاء کی تعلیمات کا وہ حصہ جو کہ روح اور حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے، جو کہ تمام انبیاء کی تعلیمات کی بنیاد اور یکساں اہمیت کا حامل رہا ہے، ''دین'' سے تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ تعلیمات کا وہ حصہ جس سے ظاہری شکل وصورت آراستہ کی گئی ہے، شرائع اور منہاج کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور تمام انسانیت کیلئے عالمگیر قانون سعادت کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ عالمگیر قانون سعادت ایمان اور عمل صالح یعنی پر مشتمل رہا ہے، چناچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (2)

اور بلا شبہ ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک رسول مبعوث کیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِىْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (3)

اور اے (پیغمبر) ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول مبعوث نہیں کیا مگر اس وحی کے ساتھ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری عبادت کرو۔

انبیاء کرام کی تعلیمات کا دوسرا حصہ اصل یعنی دین کی ظاہری شکل وصورت کا ہے، جس کیلئے ''شرع'' ''منہاج'' اور ''نسک'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ شرع اور منہاج کے معنی ''راہ'' کے ہیں اور نسک سے مقصود عبادات کے طور طریقے ہیں۔ پھر اصطلاح میں شرع قانون، مذہب اور نسک عبادات کو کہتے ہیں۔ انبیاء کی تعلیمات میں جس قدر اختلاف بھی رہا ہے وہ دین کا نہیں بلکہ محض شرع اور منہاج کا اختلاف رہا ہے۔ اس لئے کہ نسل انسانی کے حالات ہر عہد اور ہر ملک میں یکساں نہیں رہے، معاشرتی ومعاشی حالات اور ذہنی استعداد میں

---

(1) ایضاً، ۱۳:۷ (2) القرآن، ۱۶:۳۶۔ (3) ایضاً، ۲۱:۲۴

تفاوت اور فرق آیا۔ اس لئے ضرورت اس بات کی پڑ گئی کہ اصل اور بنیادی تعلیمات یعنی ''دین'' تمام انسانیت کیلئے یکساں ہو، جبکہ شرع ومنہاج اور عبادات کے طور طریقے آب وہوا اور جغرفیائی ومعاشرتی حالات کے مطابق الگ الگ ہو۔ پس جس نبی اور مذہب کا ظہور جس زمانے اور جیسی استعداد کے لوگوں میں ہوا، اسی کے مطابق شرع ومنہاج کی صورت اختیار کی گئی۔ دوسرے الفاظ میں جس ملک اور خطہ ارض میں جو صورت اختیار کی گئی وہ اس کیلئے موزوں تھی۔ یہ اختلاف اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا جتنی اہمیت نوع بشر کے تمام معاشرتی اور طبیعی اختلافات کو دی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ (1)

ہم نے ہرگروہ کیلئے عبادت کا ایک خاص طریقہ ٹھرایا ہے جس پر وہ چلتا ہے، پس لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دو، یقیناً تم ہدایت کے سیدھے راستے پر گامزن ہو۔

تاریخی طور پر مذاہب کا جو اختلاف نظر آتا ہے اس کی ایک وجہ یہی ہے کہ ہر دور میں دین کی اصل اور حقیقت کو بھلا کر اس کی ظاہری شکل وصورت کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ پیروان مذاہب، مذہب کو صرف اس کے ظواہر رسوم میں دیکھنے لگے۔ انسانی سعادت ونجات ظاہری رسوم ورواج اور شکل وصورت سے وابستہ کی گئی۔ یوں ہرگروہ اور جمعیت بشری اپنے آپ کو حق اور صداقت پر مانتا تھا اور دوسروں کے طور طریقے اور عبادات کو غلط سمجھتے تھے۔ اسی طرح سچائی اصلاً سب کے پاس رہی لیکن عملاً سب نے کھودی تھی۔ سب کو ایک ہی دین کی تعلیم دی گئی تھی اور سب کیلئے ایک ہی عالمگیر قانون ہدایت تھا، لیکن سب نے اصل حقیقت ضائع کردی اور دین پر قائم رہنے کی بجائے الگ الگ گروہ بندیاں کرکے ہرگروہ دوسرے گروہ سے لڑنے لگا اور سمجھتا تھا کہ دین کی سعادت اور نجات صرف اسی کے ورثہ میں آئی ہے دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ قرآن نے یہ حقیقت واضح کردی کہ دین صرف چند ظاہری رسوم کا نام نہیں بلکہ اصل دین خدا پرستی اور نیک عملی کا نام ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰي حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّاۗىِٕلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى

(1) القرآن، ۲۲:۶۷

الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (1)

اور نیکی یہ نہیں کہ اپنا منہ پورب یا پچھم کی طرف کرلیا کرو بلکہ نیکی کی راہ تو اس کی راہ ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، ملائکہ پر، تمام کتابوں پر اور تمام رسولوں پر ایمان رکھتا ہے، اپنا مال خدا کی راہ میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیتا ہے اور غلاموں کے آزاد کرنے میں خرچ کرتا ہے۔ نماز قائم کرتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، قول واقرار کا پکا ہوتا ہے۔ تنگی اور مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف وہراس کا وقت، ہرحال میں ثابت قدم رہتا ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی برائیوں سے بچنے والے ہیں۔

تاریخ ادیان کا ایک اور پہلو مختلف ادوار میں مختلف اشیاء کی پرستش سے متعلق ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، آگ اور کئی ایک جانور دنیا کے بیشتر اقوام میں قابل پرستش رہے ہیں، ان مظاہر قدرت کو معبود کا درجہ حاصل ہوتا رہا۔ انسانی فطرت اور عقلی اعتبار سے اس کے کیا اسباب رہے ہیں؟، معاشرت زندگی پر اس کے کیا آثرات مرتب ہوئے؟، اس کی مختصر جائزے کی ضرورت ہے۔

عقل، ترقی اور جذبات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ ان کا تخم انسان کی فطرت میں موجود ہے مگر ہر ایک کی ترقی اور اس کا کمال عموماً تربیت اور دونوں کی رہنمائی پر منحصر ہوتی ہے۔ جب انسان کو ایک حالت میں رہتے ہوئے کچھ عرصہ گزرتا ہے تو اس میں اپنی حالت کو بدلنے اور اس سے بہتر حالت اختیار کرنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ (2) جس کی وجہ انسانی فطرت میں موجود جدت پسندی اور ایک حالت متمرہ سے ملول ہو جانا ہے۔ معاشرے کے افراد جب اپنی حالت پر متجسسانہ نگاہ ڈالتے ہیں، یا کسی قوم کی بہتر حالت سے مطلع ہو جاتے ہیں تو نئے نظریات وافکار جنم لیتے ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کوئی قوم دفعتاً ترقی نہیں کرتی ہے، معاشرے کے ایک یا چند اشخاص کو ایجاد واختراع کی قوت حاصل ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ نئے نظریات اور افکار پیش کرتے ہیں۔ ابتداء میں یہ نئے نظریات وافکار نفرت اور ناپسندیدگی کا نشانہ بنتے ہیں، تاہم رفتہ رفتہ معاشرے کے افراد جدید سوچ وفکر سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح پرانے اور فرسودہ نظام اور نظریات کی جگہ نئے نظریات

---

(1) القرآن، ۲:۱۷۷

(2) جیسا کہ اللہ تعالیٰ اشاد فرماتے ہیں، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ. (۱۱:۱۳)

لے لیتے ہیں۔ نئے خیالات جہاں سچائی اور حقائق پر مبنی ہوتے ہیں وہاں ان کے ساتھ غلط توہمات اور افکار کی امیزش بھی ہوجاتی ہے، مثلاً ابتداء میں جب زمین مسطح ہونے کی بجائے گول ہونے کا تصور پیش کیا گیا تو یہ حقیقت کے زیادہ قریب تھا اور واقعی ایک اچھا خیال تھا۔ تاہم اس کے ساتھ دوسرے غلط افکار کی امیزش بھی کی جاتی، جیسا کی زمین کو گول اور عالم کے وسط میں تسلیم کیا گیا، اور عالم کا مرکز ٹھہرا کر اس چھوٹے سیارے کو تمام سیاروں اور ستاروں کی پیدائش کا مقصد ٹھرایا گیا۔

مختصر یہ کہ جذبات میں ترقی درجہ بدرجہ ہوتی ہے اور تربیت پر منحصر ہوتی ہے۔ ترقی پانے والے ابتداء میں چند افراد ہی ہوتے ہیں، ترقی کے درمیانی درجوں میں ایجاد کرنے والوں کی تعلیم گرد وپیش کے تاریک خیالوں سے مل کر مکدر ہو جاتی ہے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد کوئی روشن خیال پیدا تا ہے جو اپنی حیثیت کے مطابق تاریکی کے کسی حصہ کو دور کر کے کسی اور موجد کیلئے جگہ خالی کر دیتا ہے۔

یہی صورت مذہب میں بھی دیکھی جاتی ہے۔ ایک الٰہ، خالق، ومالک کی پرستش انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ انسان ابتداء ہی سے معرفت الٰہی میں سرگرداں رہا ہے۔ انسان اپنی جبلی کشش کے سبب ایک الٰہ کی تلاش شروع کر دیتا ہے، مگر نقص بشریت اور کوتاہی نظر وفکر کے باعث غلطیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور طرح طرح کے ناپاک خیالات اور افعال اس پاک کشش کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ لہٰذا انسانی فطرت میں موجود معرفت الٰہی اور ایک اعلیٰ وبرتر ہستی کی پرستش کا جذبہ جب انسان کی کوتاہ نظری اور بشری نقص کی بناء پر ناپاک خیالات سے مکدر ہو جاتا ہے تو یہ مختلف مظاہر قدرت کی پرستش کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں انبیاء ورسل بھیجے ہیں جن کا مقصد انسان کی اس فطری جذبے کی تطہیر اور ناپاک خیالا ت کا خاتمہ تھا۔ ہر نبی یا رسول نے قوم کو اس کی معاشرتی اور تمدنی حالات کے مطابق تعلیم دی۔ تاہم انبیاء کرام کے یہ تعلیمات بعد میں پیروان مذہب کی ذاتی مفاد، دولت واقتدار کی ہوس، نقص بشریت اور کوتاہی نظر کے باعث ناپاک خیالات وافعال کی امیزش سے محفوظ نہ رہ سکے اور مختلف اشیاء کی پرستش ہونے لگی۔

غرض عقل ومذہب کے یکساں داخل فطرت ہونے اور ایک دوسرے کے مشابہ ہونے سے یہ نتیجہ اخذ کیا سکتا ہے کہ ابتداء میں سب انسان فطری حالت میں ہوں گے اور مذہب کی نسبت یکساں کیفیت رکھتے ہوں گے۔ مگر اپنی خواہشات کو ملا کر اس کے مختلف راستے اختیار کئے ہوں گے۔ پھر مذہبی تجربہ کار یعنی انبیاء کرام وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے جو مناسب حال تعلیم دیتے رہے۔ پس جو لوگ صداقت کے طلب گار اور شوقین تھے وہ انبیاء کرام کی تعلیمات پر عمل کرتے جبکہ دوسرے افراد اپنی کوتاہ نظری اور خواہشات کے باعث دین حق کی مخالفت کرتے تھے۔

مذہبی تعلیمات، عقائدا ورسومات کا لادینی نکتہ نظر سے مطالعے کا آغاز اس وقت سے ہوا جب یونانی اور

رومی دور میں مختلف مذاہب کا اختلاط ہوا۔ مفکرین نے اپنے عقائد اور اعمال کو دوسرے قوموں کے عقائد کیساتھ تقابلی انداز میں دیکھنا شروع کیا ۔ تاہم مسلم الثبوت مذہبی عقائد، کتب مقدسہ اور رسومات کا سائنسی اصولوں کی روشنی میں پرکھنے کا باقاعدہ رواج یورپ کی نشاۃ ثانیہ سے ہوا۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے بعد جہاں طبعی کائنات، عمرانیات اور معاشیات پر تحقیقات کی گئیں، وہاں مستند اور مسلم الثبوت مذہبی عقائد اور کتب مقدسہ کو بھی نئے سرے سے دیکھنا شروع ہوا۔ عبرانی علوم اور بائیبل کے مطالعے کو نئی تحریک دی گئی۔

۱۶۷۲ء میں جان سلڈن نے سامی مائیتھالوجی کا ناقدانہ جائزہ لیا، جبکہ ۱۶۷۸ء میں کڈورتھ نے اپنی تصنیف ''دنیا کا سچا عقلی نظام'' میں بتایا کہ افلاطون کا نظریہ تثلیث عبرانی علوم سے ماخوذ ہے۔ ۱۶۸۵ء میں کیمرج کے پروفیسر ڈاکٹر جان سپنسر نے عبرانی علوم قوانین اور رسومات پر لاطینی زبان میں تحقیق کی جسے تقابل ادیان کے سائنس کا بنیاد قرار دیا گیا۔ فرانس میں بھی اس دور میں دوسرے کئی دانشوروں نے انہی خطوط پر کام کیا۔ (1)

اٹھارویں صدی عیسوی میں مذہب پر تحقیق اور تنقید کی روشنی میں فطری اور الہامی مذاہب کا نظریہ وجود میں آیا، جس کے مطابق مذہب صرف وحی اور الہام کے ذریعے نہیں بلکہ انسان کے فطری اور جبلی قوتوں کے زیر اثر بھی ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں۔ اس نظرئے کی رو سے سب سے پہلے وحی اور الہام کو مذہب کا واحد ذریعہ ماننے سے انکار کیا گیا جو نظریہ ارتقاء کی طرف پہلا قدم تھا۔ کوپرنیکس نے فلکیات پر تحقیق کی روشنی میں نظریہ ارتقاء کی طرح ڈالی۔ اسکے بعد کانٹ اور شیلنگ نے اس پر کام کیا۔ آخر میں ہیگل نے اس کی نظریاتی تکمیل کی جس کے مطابق نوع بشر ترقی پذیر اور تکمیل کی طرف گامزن ایک نامیاتی جسم ہے، جو کہ کاملیت اور معقولیت کی جانب پیش قدمی کررہا ہے۔ تاریخ محض ایک واقعہ کے بعد دوسرے واقعہ کے رونما ہونے کا نام نہیں بلکہ جدلیاتی مادیت اور معاشرتی تضادات اس کے اہم عوامل ہیں۔ اس لئے مذہب بھی فطری قوانین کے مطابق انسانی دماغ میں کمتر سے برتر کی طرف آگے بڑھنے کے طریقہ کار کا نام ہے۔ ۱۸۵۹ء میں چارلس ڈارون نے اپنے کتاب ''اصل الانواع'' لکھ کر نظریہ ارتقاء کو سائنسی اور حیاتیاتی بنیادوں پر استوار کیا۔ انہی افکار پر مزید کام کرکے ماہرین عمرانیات نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اخلاقی اور قانونی قواعد وضوابط اور ساحرانہ ومذہبی عقائد اور افعال اور رسومات سائنسی اصولوں اور پیمانوں پر قابل آزمائش ہیں۔ (2) اسی دور میں اینجلز اور کارل مارکس نے تاریخی مادیت اور معاشرتی تضاد کا نظریہ پیش کیا، جس کے مطابق مذاہب اور ارباب مذاہب طبقے کے محافظ اور زور وزر کے طرف دار رہے ہیں۔ مارکسسٹوں کی نظر میں تین عوامل یعنی دین، حکومت اور ثروت ہمیشہ مالکیت کے ہمراہ اور پوری معاشرتی تاریک میں انسانوں کے دشمن رہے ہیں۔

---

(1) James, E. O. Comparative Religion. University Paperbacks, London, 196, P.15.

(2) Ibid. PP.17,18.

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آوائل میں مغربی دانشوروں نے مذہبی عقائد پر مزید کام کیا، مذہب کی معاشرتی، معاشی اور سماجی پہلوؤں سے توضیح وتشریح کی گئی۔ ایرون۔ آر۔ گڈ ایف نے مذہب کو انسان کی ماحول کے ساتھ موافقت قرار دیا۔ ان کے نزدیک انسان کا سب سے جبلی جذبہ خوف ہے۔ ہر دور میں انسان نے خوف کو مسالک وعقائد اور اساطیر وضمنیات، فلسفیانہ اور بنیادی نظاموں کے ذریعے کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ پھر انسان چونکہ خوف واضطراب پر قابو نہ پاسکا اس لئے مذہب کے ذریعے اس کے ساتھ موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ۱۸۶۱ء میں جے۔ جے بیکوفین نے اپنی کتاب ''دنیائے قدیم میں مادری نظام کے مذہبی اور عدالتی کردار کا جائزہ'' میں بتایا کہ قدیم دنیا کا خاندانی نظام مادری تھا اس لئے اس دور میں مقدس ماں کا تصور وسیع پیمانے پر رائج تھا۔ لوگ نسوانی قوت پر تمام تخلیق کے سرچشمے کے طور پر یقین رکھتے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں یہودی نژاد ماہر عمرانیات ایمائل ڈرخیم نے اپنی کتاب ''مذہبی زندگی کی ابتدائی صورتیں'' میں ٹوٹمیت کو انتہائی قدیم اور سادہ مذہب قرار دیا۔ (1)

مذہب کی تشکیل وتدوین اور تاریخیت کے بارے میں ای۔ بی۔ ٹائلر کہتا ہے کہ دیومالا اور جادو کی طرح مذہب بھی روحوں کے مت ہی کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے۔ ذہن وفکر کی نمو وترقی کے ساتھ ساتھ قدیم پتھر کے انسان کی غور وفکر کی صلاحیتیں بیدار ہوگئیں تو اس نے قدرتی مظاہر کو سمجھنے کیلئے قیاس آرائیاں شروع کیں۔ پہلے پہل نیند، خواب، موت اور دوسرے حوادث پر غور کرتے ہوئے انسانی زندگی میں روح کا تصور جاگزین ہوا۔ جب وہ دیکھتا کہ سوتے میں وہ دوردراز کے جنگلوں میں شکار کھیل رہا ہے، تو وہ سوچنے لگتا کہ اس کے اندر کوئی ایسی شئے ہے جو اس کے جسم سے علیحدہ بھی ہوتی ہے اور پھر دوبارہ جسم میں آبھی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی دیکھتا کہ خوابوں میں اس کے مرے ہوئے عزیز اس کے پاس آجاتے ہیں۔ اس سے اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ انسان مرکر بھی مٹ نہیں جاتا بلکہ کسی اور پراسرار عالم میں زندہ رہتا ہے۔ چنانچہ اسے یقین ہوگیا کہ میں بھی مرکر زندہ رہوں گا۔ اس سے حیات مابعدالممات کا تصور پیدا ہوگیا، اور یہی خیال مذہب کا سنگ بنیاد بن گیا۔(2)

قدیم زمانے کا انسان اپنے مرے ہوئے آباؤاجداد کو زندہ سمجھ کر ان کی دعوت بھی کرتا تھا۔ مردوں کی روح کی دعوت بعض میں اقوام عالم میں آج بھی پائی جاتی ہے۔ انسانی ذہن کی ایک معروف خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے ارادات وتاثرات کو ہمیشہ مرتب ومدون کرتا ہے، چنانچہ مرورزمانہ سے قدیم دور کا انسان بے شمار ذی روح ہستیوں اور اشیاء منتخب کرکے، انہیں دیوتا بنا کر پوجنے لگا۔ زرعی انقلاب کے ساتھ جب پیداواری وسائل تبدیل

---

(1) Capps, W. H. Ways of Understanding of Religion. the Macmillan Company, New York, 1972, PP. 45, 92.

(2) Taylor, E. B. Primitive Culture. 1903, P. 129.

ہو گئے اور شکار کی بجائے کاشتکاری کی داغ بیل ڈالی گئی تو ایک طرف سورج، زمین،اور سمندر کی پرستش معاشی ضرورت کے تحت ہو نے لگی، اور لوگ دھرتی کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ دوسری طرف قبائلی تنظیم کے معرض وجود میں آنے سے سیاسی زندگی میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی اور شہنشاہیت کی بنیاد رکھی گئی۔ اس عمل کے تحت دیوتاؤں کا بھی ایک آقا تسلیم کرلیا گیا، جیسے خداوند کریم کہنے لگے۔ اور بنی نوع انسان نے کثرت پرستی سے تثلیث، ثنویت اور توحید کی جانب بتدریج قدم بڑھایا۔ (1)

جے۔ جی فریزر نے ٹوٹمیت کے حوالے سے مذہب کی صورت پذیری کی توجیہہ کی،تو ونٹ نے اس کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ مذہب ٹوٹم ہی کی بدلی ہوئی صورت ہے۔''مانا'' کے تصور سے بھی مذہب کی توجیہہ کی گئی ہے، جس کے بارے میں عقیدہ ہے کہ یہ ایک مخفی توانائی ہے جو مرئی یا غیر مرئی اشیاء میں حلول کر کے انہیں بابرکت یا مقدس بنا دیتی ہے، جس کو جنوبی ہند میں''شکتی'' کہا جاتا ہے۔شکتی یا مانا کے بارے میں یہ بھی عقیدہ رہا ہے کہ اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک بری جو آزار پہنچاتی ہے اور دوسری اچھی جو خوشحالی کا باعث بنتی ہے۔ رابرٹسن کے خیال میں مانا کا تصور''مقدس ضیافت'' سے پیدا ہوا، جس میں قبیلے کے لوگ مل کر اپنے ''ٹوٹم'' جانور کو مار کر کھاتے تھے تا کہ اس کی طلسماتی اور پراسرار توانائی ان میں حلول کر جائے۔ یہی ہمہ گیر توانائی بعد میں مذہب کی ''روحانیت'' کی صورت اختیار کی گئی جس کو مذہب کی بنیاد اور اس کیلئے جواز بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ (2)ادیان کے تاریخی پس منظر کے بارے میں مادیت پسند اور لادینی افکار جے۔ جی۔فریزر کی اس تحریر میں زیادہ نمایاں ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''انسان کی آرزوئیں، حسرتیں اور تمنائیں ہر جگہ ایک ہی جیسی رہی ہیں۔ اس لئے انسان نے ان کی تکمیل اور تشفی کیلئے جو وسائل اختیار کئے ہوئے ہیں وہ بھی آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ کہ اس مقصد کیلئے اس نے پہلے جادو کا ہاتھ تھا ما تھا، پھر مذہب کے توسط سے سائنس تک جا پہنچا۔ پہلے اس نے ایک بچے کی طرح یہ جانا کہ اس کی مجرد خواہشات ہی اس کی تشفی کا سامان فراہم کرسکتی ہے، جیسے بچے کو بھوک لگے تو روتا ہے اور اسے فوراً دودھ مل جاتا ہے۔ مرور زمانہ سے جب اسے احساس ہوا کہ ہر خواہش لازمی تشفی مہیا نہیں کرتی، تو اس نے ان غیر مرئی ہستیوں کا سہارا لیا جو مظاہر فطرت کے عقب میں کارفرما ہیں اور جنہیں اس نے اپنی ہی کی طرح مگر اپنے سے بہت بڑے انسان تصور کرلیا اور انہیں دیوتا بنا کر ان سے حاجات طلب کرنے لگا۔ اس مرحلے پر مذہب نے جادو کی جگہ لے لی۔لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس کا شعور بیدار ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ فوق الطبع ہستیاں اس کے اپنے ہی تخیل کی پیداوار ہیں اور اس کے بگڑے ہوئے کام کے سنوارنے سے عاجز ہیں، تو اس

---

(1) جلال پوری, علی عباس، کائنات اور انسان،تخلیقات علی پلازہ مزنگ روڈ لاہور،۲۰۰۴،ص ۲۷

(2) ایضاً

نے دوبارہ مظاہر فطرت پر غور کیا اور قانون سبب ومسبب کو دریافت کیا جس پر تحقیق علوم کی بنیادیں رکھی گئیں۔ انسان کو معلوم ہو گیا کہ کائنات پر چند ایسے قوانین حاوی ہیں جو غیر متبدل ہیں اور جنہیں بخوبی سمجھ لینے سے ہی وہ اپنے مقاصد کی تکمیل کرسکتا ہے۔ یہ مرحلہ سائنس کا ہے اور سائنس کے ساتھ ہی انسان کا مستقبل وابستہ ہے''۔ (1)

ادیان کا تاریخی پس منظر لادینی اور الحادی مفکرین نے جن بنیادی اصولوں کی روشنی میں پیش کیا ہے، جس پر ان تمام کے نزدیک اتفاق رائے پایا جاتا ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) تمام ادیان اور مذاہب اول تا آخر انسان کی فطری جذبات ''خوف اور جوع'' کے نتیجے کے طور پر پیدا ہوئی ہیں۔

(۲) مختلف اشیاء کی پرستش بشری دور کے مخصوص ذہنی، معاشی اور معاشرتی حالات کے مظہر ہیں۔

(۳) کرۂ ارض پر انسانی زندگی چار ادوار پر محیط رہی ہے، جس میں پہلا دور جادو کا، دوسرا مذہب کا، تیسرا فلسفہ کا اور چوتھا اور آخری دور سائنس کا ہے۔

(۴) مذہب معاشرے کے بااثر طبقے کا اختراع ہے جس کے ذریعے معاشرے کے محکوم اور مظلوم طبقے اپنے فطری حقوق اور آزادی سے محروم کئے جاتے ہیں۔

لادینی اور الحادی مفکرین کی رائے میں انسان کا مستقبل سائنس کے ساتھ وابستہ ہے، جنہیں دور جدید کے نظریات کہا جاتا ہے۔ لیکن مابعد جدیدیت کے حالات اور واقعات نے ثابت کردیا کہ سائنس انسان کے مجرد خواہشات' آرزوں کی تکمیل میں ناکام رہا ہے۔ اس لئے جدید دور کا انسان دوبارہ مذہب کی طرف رجوع کرنے میں عافیت سمجھتا ہے۔

---

(1) Frazer, J. G. Golden bough. Pt.V, 1903, P. 129.

فصل سوم

الہامی اور غیر الہامی ادیان

انسانی عقائد، اقوال اور اعمال دوسروں سے مستفید اور ماخوذ ہوتے ہیں یا پھر اس کے اپنی غور وفکر کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ دوسروں سے مستفید عقائد اور اقوال واعمال کا حامل انسان مسلم، مطیع اور متدین ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو نظام فکر وعمل، جو عقائد اور اعمال انسانی رائے کے نتیجے کے طور پر ظہور پذیر ہوتے ہیں، وہ انسانی خواہشات اور نفس کی تکمیل کرتے ہیں۔ علماء ایک کو اہل الدیانات اور دوسرے کو اہل الھواء کہتے ہیں۔ اہل الدیانات عقائد واعمال اور فکر وعمل کی بنیاد وحی اور الہام پر رکھتے ہیں جبکہ اہل الھواء کے عقائد، اور ان کا نظام فکر وعمل عقلی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔ اول لذکر کے ضابطہ حیات اور قانون وشریعت کو الہامی ادیان اور آخر الذکر کی طرز زندگی کو غیر الہامی ادیان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ (۱)

الہامی اور غیر الہامی ادیان میں بنیادی فرق ان اصولوں کا ہے:

(۱) الہامی ادیان کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ہوتی ہے، جبکہ غیر الہامی ادیان میں توحید کا تصور لازم نہیں بلکہ بعض غیر الہامی ادیان خدا کے تصور سے بھی خالی ہوتے ہیں۔

(۲) الہامی ادیان میں عقیدہ رسالت ضروری ہوتا ہے جبکہ غیر الہامی ادیان میں رسالت کا تصور نہیں ہوتا۔

(۳) الہامی ادیان کے سرچشمے الہامی کتب ہوتے ہیں، جبکہ غیر الہامی ادیان کتب کے حامل نہیں ہوتے۔

(۴) الہامی ادیان کے تعلیمات واضح اور معین ہوتے ہیں، اس کے برعکس غیر الہامی ادیان کی تعلیمات مبہم ہوتی ہیں۔

(۵) الہامی ادیان کی تعلیمات میں قبولیت کا روش پایا جاتا ہے، یہ تعلیمات دنیا واخرت کی بھلائی، فلاح اور نجات کی ضامن ہوتی ہیں۔ مادی اور روحانی زندگی کا احاطہ کرتی ہیں، جبکہ غیر الہامی ادیان کی تعلیمات مادی زندگی تک محدود ہوتی ہیں۔

اس کے علاوہ الہامی اور غیر الہامی ادیان کے تعلیمات وعقائد کا ایک فرق یہ بھی ہے کہ الہامی ادیان کے عقائد اور تعلیمات مستقل اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہوتے ہیں، عقائد مضبوط اور ناقابل تغیر ہوتے ہیں اور عبادات

---

(1) علامہ شہرستانی، الملل والنحل، تخریج محمد بن فتح اللہ بدران، ج۱، مکتبہ الانجو المورية ۱۶۵ شارع محمد فرید القاہرہ، ص۴۲

وردسومات زمان ومکان کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس غیر الہامی ادیان کے عقائد اور تعلیمات غیر مستحکم اور تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ بنیادی تصورات، جیسے تصوارت الٰہ اور کائنات وغیرہ اور انسانی اقدار وغیرہ زمان ومکان کے تابع ہوتے ہیں۔ قرآن نے اول لذکر کو "کلمة طیبة" اور آخرالذکر کو "کلمة خبیثة" کہا ہے۔(1)

الہامی ادیان میں ''وحی'' کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ لغت میں وحی آہستہ اور رازدارانہ انداز میں بات کرنے کو کہا جاتا ہے۔ تاہم قرآن مجید میں یہ لفظ کئی معنوں میں آیا ہے جو مرموز اور خفیہ ہدایت کی بہت سی قسموں پر محیط ہے۔ وحی جمادات، نباتات اور حیوانات کی ہدایت سے لے کر انسان تک کی ہدایت کا ذریعہ ہے۔ وحی نبوت، جس پر الہامی ادیان استوار ہوتے ہیں، فقط انبیاء پر نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں :

> اور کسی بشر کی طاقت نہیں کہ اللہ اس سے ہم کلام ہو جائے مگر اشارہ سے یا پردے کے پیچھے، یا کوئی پیغام لانے ولا بھیجے پھر اس کے حکم سے جو چاہے پہنچادے''(2)

اس کے علاوہ وحی وسیع معنوں میں تمام مخلوقات کی ہدایت کا ذریعہ ہے، جیسا کہ علامہ اقبال کہتے ہیں :

> ''اصول وجود کا یہ اتصال کسی طرح بھی صرف انسان کیلئے مخصوص نہیں ہے۔ قرآن میں وحی کا طریقہ استعمال یہ بتاتا ہے کہ کتاب ''وحی'' کو زندگی کی ایک خاصیت جانتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی شکل اور خاصیت زندگی کے ارتقاء کے مرحلوں کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ وہ گھاس جو کسی ایسی جگہ پر اگتی ہے اور آزادی کے ساتھ نشونما پاتی ہے، وہ جانور جو زندگی کیلئے نئے ماحول سے ہم آہنگ ہونے کیلئے ایک نئے عضو کا حامل ہوتا ہے، اور وہی انسان جوزندگی کی اندرونی گہرائیوں میں ایک نئی روشنی لیتا ہے، یہ سب وحی کے مختلف حالات کے نمائندے ہیں''۔ (3)

الہامی ادیان میں مجوسیت، یہودیت، عیسائیت اور اسلام جبکہ غیر الہامی ادیان میں صائبین، ہندومت، بدھ مت، کنفیوشش ازم، یونانی مذاہب، رومی مذاہب اور قدیم و جدید مکاتب فلاسفہ کے مذاہب شامل ہیں، جن کا مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

---

(1) القرآن، ۱۴:۲۴ تا ۲۷

(2) القرآن، ۴۲:۵۱

(3) Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam. Institute of Islamic Culture, 2-club Road Lahore, 1999, P. 142.

الہامی ادیان

مجوسیت:۔

مجوسیت فارس موجودہ ایران کا مذہب رہا ہے۔ ایران کے آریائی باشندے وسط ایشیاء سے ہجرت کر کے آباد ہو گئے تھے، جس کی ایک شاخ ہندوستان میں بھی آباد تھی۔ تاہم دونوں کے طرز معاشرت، رسم ورواج اورعقائد میں معاشی اور جغرافیائی تضاد کی وجہ سے کافی اختلاف موجود تھا۔ دوسرے قدیم اقوام اور مذاہب کی مجوسیت میں بھی مظاہر پرستی کا رواج رہا ہے۔ تاریخی طور پر مجوسیت کا آغاز زرتشت کے عہد سے ہوتا ہے، جس کے زمانہ ولادت میں مؤرخین کے درمیان خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر چہ اس کے بچپن اور جوانی کے ساتھ بہت سارے مافوق الفطرت واقعات منسوب کیے گئے ہیں، تاہم اس کے حالات زندگی صحیح طور پر معلوم نہیں۔ زرتشت نے مجوسیت کی صورت میں خیر اور شر کیلئے دو الگ الگ خداؤں کا تصور پیش کیا، جنہیں یزداں اور اہرمن کہتے ہیں۔

زرتشت کی تعلیمات کا ماٗخذ ''اوستا'' ہے۔ جس کے پانچ حصے ہیں، جن میں ''یاستا'' یعنی قربانی والاحصہ،''گاتھا'' مذہبی قصائد، ''وسپرڈ'' خدا کی حمد وثنا،''ونڈایڈاہ'' ارواح خبیثہ کے متعلق اور''ایشٹ'' یعنی بھجن ہیں۔ تعلیمات عقائد اور اعمال پر مشتمل ہیں۔ عقائد میں ثنویت اور حیات مابعد الممات جبکہ اعمال عبادات کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور سماجی قوانین اور پاکیزگی کے اصولوں پر مشتمل ہیں۔ اوستا کے الفاظ الہامی بتائے جاتے ہیں۔ رزتشتیوں کے مطابق اس کی تخلیق مخلوقات سے پہلے عمل میں آئی تھی۔ اس کی تعلیمات قنوطیت کی بجائے رجائیت کی آئینہ دار ہیں اور رہبانیت کی جگہ فعال زندگی کو زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ عبادت سادہ طریقے سے کی جاتی ہے، کسی بھی مورتی کی گنجائش نہیں البتہ عبادت کے دوران آگ کو روشن رکھتے ہیں (1)

مجوسیت کی دوسری صورت ''مانویت'' ہے جس کا بانی ''مانی'' ۲۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ ۲۶ سال کی عمر میں اس نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی، جس کی تعلیمات پر بدھ مت، عیسائیت اور زرتشی مذہب کے واضح اثرات پائے جاتے ہیں۔ مانی نے ان تینوں مذاہب کے بانیوں کو برحق تسلیم کیا ہیں۔ مجوس الاصل محمد بن ہارون، جو کہ عیسیٰ الوراق کے نام سے شہرت رکھتے تھے، کے مطابق مانی کے خیال میں عالم مصنوع دو اصل اور قدیم سے مرکب ہے۔ ایک نور اور دوسرا ظلم یا اندھیرا۔ یہ دونوں ازلی ہیں، سمع وبصر اور قوت احساس وادراک سے ماوراء ہیں۔ (2) مانویت کے بارے میں اسوالڈ سپینگلر اپنی کتاب ''زوال مغرب'' میں لکھتے ہیں:

---

(1) رشید احمد، مذاہب عالم، زمرد پبلی کیشن، ۲۰۰۲، ص ۱۶۵ تا ۱۸۱

(2) علامہ شہرستانی، الملل والنحل، تخریج محمد بن فتح اللہ بدران، ج ۱، مکتبہ الانجوالموریۃ ۱۶۵ شارع محمد فرید القاہرہ، ص ۲۲۴

''۲۲۴ء میں ایک اور بانی مذہب منظر پر آیا، یہ مانی تھا۔ اس نے غیر مسیحی یہودیت اور کلاسکیت کی تردید کی اور اس نے تمام مجوسی مذاہب کو منضبط صورت میں جمع کیا۔ اس زمانے میں یہ مضبوط ترین مذہبی نظام تھا بلکہ تمام عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ۲۷۶ء میں مزدکی پجاریوں نے قتل کرایا۔ اپنے باپ کی صلاحیتوں سے آراستہ اپنے عہد کے تمام علوم پر دسترس حاصل تھی۔ اس نے کلدانیوں، اہل فارس، یونانیوں اور ایرانی عیسائیوں کے تصورات کو باہم جمع کیا۔ یہ ایک ایسا کام تھا کہ اس کیلئے پہلے بھی مساعی کی گئی تھیں اور اس میں عیسائی، اہل فارس اور بردے، سانی سی عناصر شامل تھے۔ مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ ایک نیا کلیسا کس طرح قائم کیا جائے''۔ (1)

اسی طرح اسوالڈ سپینگلر نے اسرائیلی مذاہب مجوسی الاصل قرار دیئے۔ اس کے خیال میں الہامی مذاہب کی روح مجوسی ہے۔ جو آخر میں پوری آب وتاب کے ساتھ اسلام میں ظاہر ہوئی۔ علامہ اقبال نے سپینگلر کی خیالات یوں پیش کئے ہیں:

''سپینگلر کے خیال میں پیغمبرانہ تعلیم کا ماحاصل مجوس ہے۔ خدا ایک ہے، اسے یہوہ کہا جائے یا اہورامزدا یا مردوخ بعل۔ ۔ جو خیر کا اصول ہے اور باقی تمام دیوتا اس کے سامنے بے بس ہیں یا شر کے حامل ہیں۔ اس نظریئے کے ساتھ مسیحا کا تصور وابستہ ہے جو یسیعاہ میں دکھائی دیتا ہے۔ اس میں مجوسی مذہب کا احساس تصور موجود ہے یعنی شر اور خیر کے درمیان آفاقی آویزش، جس کے درمیانی دور میں شر غالب آئے گا، اور آخر میں قیامت کے قریب خیر کی فتح ہوگی۔ مجوسی کلچر سے سپینگلر کی مراد وہ کلچر ہے جس کے ساتھ یہودیت، قدیم کالدیی مذاہب، ابتدائی دور کی عیسائیت، زرتشت کا مذہب اور اسلام وابستہ ہیں''۔ (2)

---

(1) سپینگلر، اسوالڈ، زوال مغرب، ج ۲، مترجم ڈاکٹر منظور حسن ملک، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۱۹۹۸، ص ۲۶۱

(2) Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam.Institute of Islamic Culture ,2-club Road Lahore, 1999, P. 115.

یہودیت:۔

یہودیت کا لفظ ''ھاد'' سے ماخوذ ہے۔ عربی لغت میں ''ھاد'' توبہ کرنے یا رجوع کرنے والے کو کہا جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ''ھادالرجل'' :ای رجع وتاب''(1) یعنی جس نے توبہ کی اور رجوع کیا۔ یہ نام قرآن میں مذکور موسیٰؑ کے اس قول ''اناھدنا الیک'' (2) کے مطابق ہے۔ یہود موسیٰؑ کی امت ہے، تورات ان کی کتاب ہے جو تاریخ مذاہب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتابوں میں پہلی مستند کتاب ہے۔ اس سے پہلے ابراہیمؑ اور دوسرے انبیاء کرام پر صحائف نازل ہو چکے تھے،لیکن کتاب نہیں۔ جس طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور جنت عدن کی تخلیق اپنے ہاتھ سے کی اور تورات اپنے ہاتھ سے لکھا۔ (3)

تورات ۱۳۹ اسفار یا حصوں پر مشتمل ہے، جس میں پیدائش،خروج،گنتی، استثناء، یشوع اور قضاۃ کے علاوہ سلاطین، تواریخ، اور دوسری کتابیں شامل ہیں۔ موسیٰ پر تورات کے علاہ دوسرے صحائف بھی نازل ہو چکے تھے جس کا ذکر قرآن میں بھی کیا گیا ہے۔ (4)

عہد نامہ عتیق، جو کہ بنی اسرائیل کی تاریخی اور معاشرتی زندگی کا آئینہ دار ہے، کی تدوین وتالیف مختلف ادوار میں ہوئی ہے جو زیادہ تر موسیٰؑ کی وفات کے بعد کا زمانہ ہے۔ تاریخ میں طویل غلامی کی زندگی گزارنے اور مختلف ادوار میں حملوں اور تباہی کی بدولت عہد نامہ عتیق، جس میں تورات اور دوسری کتابیں شامل ہیں، زمانہ کی دست وبرد سے محفوظ نہیں اور تحریف بگاڑ کا شکار ہو گیا۔ یہودیوں نے کثرت پرستی سے وحدت پرستی تک طویل ارتقائی منازل طے کئے تھے۔ یہودی مذہب میں سیاسی اور سماجی امور سب شامل ہیں۔ اس سلسلے میں معاشرتی قوانین بھی ہیں، جو کہ امور مذہب کا جزلاینفک سمجھے جاتے ہیں۔ یہودیت دنیا کا پہلا مذہب ہے جس نے دنیا کو اجتماعی زندگی بسر کرنے کا طریقہ بتایا۔ اپنے پیروؤں کو آداب واطوار کی تلقین، ہر کام سے پہلے غوروفکر اور عبد ومعبود کے رشتے کو استوار کرنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کی باہمی تعلقات کی عمدگی کی تلقین یہودیت کی خصوصیات ہیں۔ یہودیت میں معاشی معاملات کی درستگی اور سودخوری کی ممانعت کی گئی ہے۔ (5)

---

(1) علامہ شہرستانی، الملل والنحل، ،ص۱۹۲

(2) القرآن، ۷:۱۵۶

(3) علامہ شہرستانی، الملل والنحل ،ص۱۹۲

(4) القرآن، ۷۸:۱۹ اور ۷:۱۴۵

(5) رشید احمد، مذاہب عالم، زمرد پبلی کیشن لاہور، ۲۰۰۲،ص ۲۴۹ تا ۳۱۰

نصرانیت:۔

نصرانیت یا عیسائیت عیسیٰؑ کی پیروکاروں کا مذہب ہے۔ عیسائی لوگ عیسیٰؑ کو افلاکی باپ کی تجسیم اور انسانیات کا نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ وہ تقریباً دوہزارسال پہلے بیت اللحم میں کنواری ماں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں انہوں نے عالم فاضل یہودیوں کے مشکل ترین دینیاتی سولات کے جوابات دے کر الوہی ذہانت کا مظاہرہ کیا۔ تقریباً تیس سال کی عمر میں عیسیٰؑ عوام کے سامنے نمودار ہوئے۔ غریبوں کو تعلیم دی، بیماروں کو شفادی، برائیوں کو دور کیا، اندھوں کی بصارت اور بہروں کی سماعت بحال کی۔ مردوں میں جان ڈالی اور بہت سے معجزات دکھائے۔ کینہ پرور یہودیوں نے عیسیٰؑ پر الحاد اور بغاوت کا الزام لگایا اور انہیں رومی گورنر سے سزا دلوائی، اور عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق مصلوب کیا۔ بعد میں ان کی تعلیمات اور وعظ دنیا بھر میں پھیل گئے۔

ان کے معتقدین انہیں عیسیٰؑ یسوع مسیح اور خود کو عیسائی کہتے ہیں۔ عیسیٰؑ کی تعلیمات میں خیرات، نفس کشی، تزکیہ نفس، ہمہ گیر محبت اور خدا پر یقین کا بیج بویا گیا ہے۔ عیسیٰؑ نے کوہ سینا پر اپنی قابل قدر تعلیمات پیش کیں جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

> ''تمہارادل نہ گھبرائے، تم خدا پر یقین رکھتے ہو مجھ پر بھی ایمان رکھو۔ میرے باپ کے گھر میں بہت سارے مکان ہیں۔ اگر نہ ہوتے تو میں تمہیں کہہ دیتا کہ میں جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے جگہ تیار کرلوں۔ اور اگر میں جاکر تمہارے لئے جگہ تیار کرلوں تو پھر آکر تمہیں اپنے ساتھ لوں گا۔ تاکہ جہاں میں رہوں تم بھی ہو''۔ (1)
>
> ''۔۔۔۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر ایمان رکھو اور شک نہ کروتو بہت کچھ کرلوگے۔۔۔۔۔ بلکہ اگر پہاڑ سے بھی کہو گے کہ تو اکھڑ جا اور سمندر میں جا پڑ تو یوں ہو جائے گا اور جو کچھ دعا میں ایمان کے ساتھ مانگوگے وہ تم سب کو مل جائے گا۔ (2)

عیسیٰؑ کی تعلیمات میں توحید کا درس دیا گیا تھا، لیکن بعدمیں پولوس نے یونانی اوررومی افکار کی امیزش کرکے اصلی تعلیمات کا حلیہ بگاڑ دیا۔ جس میں عقیدہ تثلیث اور کفارہ کو مرکزی اہمیت حاصل دی گئی۔ عیسائیت میں تثلیث سے مراد باپ، بیٹا اور روح القدس ہے۔ خدا بطور باپ ارض وسماء کا خالق ہے، خدا بطور بیٹا انسانیت کا نجات دہندہ ہے۔ تثلیث کا عقیدہ قدیم مصری، ہندی مذاہب میں بھی پایا جاتا ہے۔ کفارہ کی رو سے انسان ازلی

---

(1) کتاب مقدس، عہدنامہ جدید، یوحنا، ۱: ۳

(2) کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، انجیل متی، ۲۱: ۲۱،۲

گناہگار رہے اور عیسیٰ مسیح کی ذات تمام انسانیت کیلئے نجات دہندہ ہے۔ چرچ عبادت اور زندگی کا مرکز ہے۔ عیسیٰ خدا کی تجسیم اور خدائی انسان سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ تجسیم الوہیت سے بڑھ کر ہے۔

اسلام:۔

اسلام الہامی مذاہب میں قدیم دین اور جدید شریعت ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق ''دین'' ابتداء ہی سے ایک رہا ہے۔ افرنیش عالم سے لے کر محمد ﷺ تک جتنے بھی سچے انبیاء کرام اور معلمین دین خدا کی طرف سے حق وصداقت کی اشاعت پر مامور ہوئے، بلا استثناء سب کا دین اسلام ہی رہا ہے۔ جدید ترین اس معنیٰ میں کہ اس دین کی تکمیل نبی کریم ﷺ کی بعثت کے ساتھ ساتویں صدی عیسوی میں ہوئی۔

اسلام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارنے پر زور دیتا ہے۔ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' سارے مذہب کی بنیاد ہے۔ اسلام میں داخل ہونے کیلئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی واحدنیت، محمد ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کے آخری کتاب ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے، اس کے ساتھ سابقہ انبیاء کرام اور کتب پر یقین ایمان کا حصہ ہے۔ حیات مابعد الممات، روز جزا وسزا اور جنت وجہنم کا اسلام میں واضح تصور موجود ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج دین اسلام کے ستون ہیں۔

قرآن مجید کو دنیا کی مذہبی کتب میں ایک ممتاز اور بے مثل مقام حاصل ہے۔ یہ لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ یہ رشد وہدایت اور ابدی دانائی کی کتاب ہے۔ قرآن مجید میں قادر مطلق کی یکتائی اور وحدانیت پر زور دیا گیا ہے، جو دین اسلام کی اساس ہے۔ قرآن مجید کے مطابق راست رویہ، پرہیزگاری، حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرنا حقیقی اسلام ہے۔ قرآن کا ایک پیغام یہ بھی ہے کہ ساری انسانیت اور ساری مخلوق ایک برادری کی حیثیت رکھتی ہے۔

غیر الہامی ادیان

ماہرین علم لانسان کیلئے یہ مسئلہ ہمیشہ باعث غور وفکر رہا ہے کہ اس کرۂ ارض پر انسان کب سے موجود ہے اور اس کی آفرینش کب عمل میں آئی۔ آثار قدیمہ کے ماہرین نے پتھروں کے اوزار دریافت کئے ہیں، جو کہ طبقات الارض کے ماہرین کے نزدیک لاکھوں برس پہلے استعمال ہوئے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ انسان نامعلوم زمانے سے کرۂ ارض پر آباد ہے۔ اس کے باوجود اس کے عقائد وافکار اور طرز معاشرت کے بارے میں انسانی معلومات نہ ہونے کے برابر ہے۔ البتہ قدیم پتھر کے زمانے کے بارے میں تھوڑا بہت علم حاصل کیا گیا ہے۔ یہ زمانہ پچاس ہزار برس قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے اور دس ہزار قبل مسیح پر ختم ہو جاتا ہے، یہ معلومات بھی

نہایت ادھوری اور سطحی اور قیاسیات پر مبنی ہیں۔ ان سے جو نتائج اخذ کئے جاتے ہیں ان میں شدید غلطیوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اس لئے قدیم انسان کے مذہب کے بارے میں ماہرین علم الانسان یقینی رائے دینے سے قاصر ہیں۔

قرآنی تعلیمات سے یہ تو واضح ہے کہ کرۂ ارض پر آدمؑ پہلے انسان تھے جو کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر بھی تھے۔ لیکن آدمؑ سے کے بعد اس کے ذریات نے کیا طریقہ اختیار کیا تھا، ان کے عقائد حتمی طور پر معلوم نہیں۔ دوسری طرف ماہرین آثار قدیمہ نے جو اوزار اور شبیہیں دریافت کیں ہیں ان کے مطابق انسان نے مختلف دور میں مختلف اشیاء کی پرستش کی ہے۔ اسی بناء پر علماء مذاہب نے تمام قدیم اقوام کے مذاہب کو غیرالہامی ادیان میں شمار کیا ہے۔ ذیل کے سطور میں جہاں ہند، مصر اور یونان کے غیر الہامی مذاہب زیر بحث آئیں گے وہاں آثار قدیمہ سے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں دوسرے قدیم مذاہب کا بھی جائزہ اختصار کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔

قدیم مذاہب، جو کہ صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں لیکن ان کے اثرات دوسرے مذاہب میں پائے جاتے ہیں، کو ابتدائی مذاہب کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ مذاہب ایشیاء، افریقہ، اسٹریلیا اور امریکہ کے قدیم قوموں کے تہذیب وتمدن کے آئینہ دار ہیں۔ ایشیاء میں ہند، قدیم عراق اور مصر کے مذاہب زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

ہندوستان میں دراوڑی مذہب (۳۰۰۰تا۲۰۰۰ق۔ م) اولین مذہب ہے جس کے اثرات موجودہ ہندو مذہب میں ملتے ہیں۔ ہڑپہ اور موہنجوداڑوں سے ملنے والی آثار دراوڑی تہذیب اور اعتقادات وافکار کا پتہ چلتا ہے۔ مقدس ماں کا مسلک وادی سندھ کی تہذیب کے دور میں وسیع پیمانے پر مقبول تھا۔ لوگ نسوانی قوت میں تمام تخلیق کے سرچشمے کے طور پر یقین رکھتے تھے۔ الوہیت کی کسی شبیہہ یا علامت کی پرستش کرتے تھے۔ ہندوؤں کے مذہبی تقریبات میں دیوتاؤں کو پھولوں، پھلوں، پانی کی بھینٹیں، دیوی، دیوتاؤں کی شیر، بیل درخت اور پہاڑ جیسی علامتیں دراوڑی مذہب کی باقیات ہیں۔ (1)

عراق تہذیب وتمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ دریا فرات کی قدیم تہذیب مصر سے بھی زیادہ پرانی ہے، کیونکہ اس علاقے سے سات ہزار سال قبل مسیح کے آثار دریافت ہوئے ہیں۔ سمیری، اکادی، بابلی اور اشوری مذاہب نے انسانی تہذیب وتمدن پر دوررس اثرات مرتب کئے ہیں۔ سمیری مذہب میں دیوتاؤں کی پرستش کے آثار پائے گئے ہیں۔ دنیا کی قدیم ترین تثلیث بھی سمیریوں کے ہاں ملتی ہے۔ ان کے اہم ترین معبود ''انو'' ''ان'' اور ''لیل'' تھے جو بالترتیب آسمان۔ زمین اور پانی کے دیوتا تھے، کائنات میں تصرف رکھتے تھے۔ ارواح خبیثہ کے عقیدے کا سراغ بھی سب سے پہلے سمیریوں کے ہاں ملتا ہے، جن سے نجات کاہنوں کے ذریعے سے دلائی جاتی تھی، جنہیں ''اسیپو (Ashipo) یعنی ساحر کہا جاتا تھا۔ عبادت کے طریقے سادہ تھے اور ان کے معابد بالعموم پہاڑوں پر بنائے جاتے تھے۔

---

(1) مہاپتر، امولیہ رنجن، فلسفہ مذاہب، اردو ترجمہ یاسر جواد، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۰۱، ص ۲۵

شمالی عراق کی سامی النسل اکادیوں کا مذہب ارواح اور مناظر قدرت کی پرستش پر مشتمل تھا۔ اعلیٰ دیوتاؤں میں ''انا'' (ANNA) یعنی خدا، ''ملگے'' (Mulge) جو اس کی بیوی تصور کی جاتی تھی، اور ''ننگے'' (Ninge) جو پاتا ل کی دیوی اور دیوتا تصور کئے جاتے تھے، کی پرستش کی جاتی تھی۔ ہیا (Hea) فضاء ونمی اور اس کی بیوی ''داوکنا'' (Davkina) یعنی زمین کی ملکہ کہلائی جاتی تھی۔ انا، ملگے اور ہیا کی اعلیٰ تثلیث کے ساتھ ساتھ چاند دیوتا ''اروکی'' اور سورج دیوتا ''اُو'' اور روشنی وہوا کا دیوتا ''ام'' کی تثلیث کا بھی رواج تھا۔ آگ کو بڑی اہمیت حاصل تھی جس کا استعمال سحر وفسوں میں کیا جاتا تھا۔ (1)

اکادی قوم کی زوال کے بعد شہر بابل، یا باب ایل یعنی خدا کا دروازہ، نے بڑی شہرت حاصل کی۔ اس کا پہلا بادشاہ حمورابی (۲۱۰۰ق۔م) تھا، جس نے دنیا کو پہلا تحریری دستور دیا تھا۔ بابلی مذہب پر اکادیوں کے گہرے اثرات تھے۔ اکادیوں کے یوتاؤں کے نام ''امی'' تلفظ کے مطابق ڈھال دیئے گئے تھے۔ شمس یعنی سور اور سن یا چاند بڑے دیوتا تھے۔ سماجی زندگی میں سحر وفسوں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ بابلی سحر اور معاشرتی زندگی کا ذکر قرآن میں بھی کیا گیا ہے۔ (2)

دوسری ہزارویں صدی قبل مسیح میں اشوری بابل پر قابض ہو گئے۔ سمیریوں اور اکادیوں کے برعکس اشوری سخت آب وہوا، خانہ بدوشی اور عسکری زندگی کے خوگر تھے، اس لئے ان کے ہاں سورج چاند کے دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ جنگی دیوتاؤں تک کا بھی تصور ملتا ہے۔ اشوریوں میں کثرت پرستی کا رواج بھی تھا۔ بعض روایات میں ان کی دیوتاؤں کی تعداد چار اور پانچ ہزار بتائی جاتی ہے۔ ساتھ ساتھ اشوریوں کے مذہبی عقائد میں وحدت پرستی کا تصور بھی ملتا ہے، جبکہ عقیدہ تثلیث میں ''ابوا'' ''لعل'' اور ''ہیا'' دیوتا شامل تھے۔ عبادات کے تین طریقے، پوجا، بھجن اور قربانی کے علاوہ اعتراف گناہ کو خاصی اہمیت حاصل تھی۔ اس کے برعکس حیات ما بعد الممات کے عقیدے کو کم اہمیت دی جاتی تھی۔ (3)

وادی دجلہ وفرات کے ساتھ ساتھ وادی نیل کے مذہب نے بھی معاشرتی، سماجی اور معاشی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ دریائے نیل کے کنارے پر آباد ہونے کی وجہ سے قدیم مصری شہری اور زرعی زندگی بسر کرتے تھے۔ جغرفیائی حالات اور ملکی آب وہو نے مصریوں کے عقائد وافکار زیادہ حد تک متاثر کئے تھے۔ کائنات اور انسان کی تخلیق کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ مرغابی کے انڈے سے ایک نئی مخلوق پیدا ہوئی جو انسان کہلایا۔ ایک کنول کا پھول پانی پر کھلا ہوا تھا، جس کی ایک پنکھڑی پر دیوتا بچے کی شکل میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ دیوتا

---

(1) رشید احمد، ، مذاہب عالم، زمرد پبلی کیشن لاہور، ۲۰۰۲، ص ۷۴ تا ۷۹

(2) القرآن، ۲:۱۰۲

(3) رشید احمد، تاریخ مذاہب، زمرد پبلی کیشن، لاہور، ۲۰۰۲، ص ۵۷ تا ۷۳

پانی میں تیرتی ہوئی ایک گائے پرسوار ہو گیا اور سورج بن گیا۔ مصری آسمان کو مونث اور زمین کو مذکر سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں آسمان اور زمین الگ نہیں تھے، بلکہ آسمان زمین پڑا ہو تھا اور جس کو فضا کے دیوتا اور آسمان کے باپ ''شو'' نے بلند کیا تھا۔

مصریوں کے ہاں انسان اور دیوتا میں صرف عظمت ہی مابہ امتیاز تھی۔ دیوتاؤں کی تین صفات ''کا'' یعنی الوہیت، ''یا'' روح اور ''دیت'' یعنی بقائے جاودانی تھیں۔ مصری تاریخ میں اوسیرس'' مقبول ترین دیوتا رہا ہے، جس نے اپنی مصالحانہ روئے، صلح جو طبیعت، انسانیت پر بے شمار احسانات، سبت کے ہاتھوں اس کی موت اور دوبارہ زندہ ہونے کی بناء عوام کے دلوں میں اپنی جگہ بنائی۔ ہورس جنگ کا دیوتا تھا جس کو عقاب کی صورت میں ظاہر کیا جاتا تھا۔ ''را'' جس کی پیدائش اپنی قوت مردانہ سے ہوئی تھی، کو دیوتاؤں کا بادشاہ کہا جاتا تھا۔ مصر میں ''اٹن'' دیوتا کی پرستش اگرچہ قلیل وقت کیلئے ہوئی تھی تاہم مصری تاریخ میں اس کی پرستش کثرت پرستی اور تثلیث سے وحدت پرستی کی سفر کا مظہر رہا ہے۔

عبادت میں عام وخاص کی کوئی تمیز نہیں کی جاتی تھی۔ کھڑے ہو کر ہاتھ کو چہرے کے مقابل تک بلند کیا جاتا تھا اور ہتھیلی کا رخ اوپر کی طرف ہوتا تھا۔ اس کے بعد عابد بیٹھتا، کبھی کھڑا ہوتا اور کبھی جھک جاتا تھا۔ کبھی ہاتھ سینے پر ہاتھ باندھ کر، کھڑے ہو کر عبادت کی جاتی تھی۔ یہ عبادت مسلمانوں کی نماز سے زیادہ مشابہہ معلوم ہوتی ہے۔ (1) جانوروں کی قربانی دی جاتی تھی۔ سحر وفسوں کا غلبہ تھا۔ ساحروں کی بڑی جماعت موجود رہتی تھی جو لوگوں کی دوسری ضروریات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ بیماریوں کا علاج ومعالجہ بھی کرتے تھے۔ قرآن مجید میں مصری ساحروں کے موسیٰؑ کے ساتھ مقابلہ کرنے اور ان کی ایمان لانے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ کئی موقعوں پر ذکر کیا گیا ہے۔ (2)

یونان طویل عرصے تک علم ودانش اور فکر وفلسفہ کا مرکز رہا ہے۔ انسانی افکار کافی حد تک یونانی فلسفہ سے ہر دور میں متاثر ہوئے ہیں۔ یونانی تاریخ کا آغاز اگرچہ ایک ہزار قبل مسیح سے ہوتا ہے، تاہم ایک ہزار سے پانچ سو قبل مسیح تک معلومات بے حد ناقص ہیں۔ اس زمانے کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ یونان میں آریائی اقوام آباد تھیں۔ تاریخ یونان میں آریاؤں کی آمد کا زمانہ متعین کرنے سے بھی قاصر ہے البتہ قیاس کیا جاتا ہے کہ پندرہ سو سال قبل مسیح سے آریا یونان میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے۔

---

(1) رشید احمد، تاریخ مذاہب، زمرد پبلی کیشن، لاہور، ۲۰۰۲، ص ۷۴ تا ۹۴

(2) القرآن، ۷: ۱۰۳ ت ۱۲۹

یونانی مذہب نے کریٹ اور ملحقہ علاقوں میں پرورش پائی تھی۔ کریٹ کا ''منی آن'' مذہب مصری مذہب سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا جس میں کثرت پرستی، حیوان پرستی اور آباء پرستی زوروں تھی۔ یونانی آریاؤں نے کریٹ فتح کرکے ''منی آن'' مذہب کا خاتمہ کیا اورآریائی تہذیب کی بنیاد رکھی۔ قدیم یونانی تاریخ وافکار جاننے کا واحد مستند ذریعہ یونانی شاعر ہومر کی نظمیں ہیں۔ ہومر کی لاتعداد نظموں میں صرف نظمیں ''ایلیڈ'' اور ''اوڈیسے'' محفوظ ہیں، جو قدیم یونان کے تاریخی اور معاشری حالات کے مأخذ ہیں۔ (1)

یونانی دیومالا میں بارہ بڑے بڑے دیوتاؤں اور دیویوں کو مرکزی اہمیت حاصل تھی جو ایک خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور کوہ آلمپس کی بلندیوں پر بسیرا کرتے تھے۔ سب سے پہلے دھرتی دیوی ''جیا'' (2)تھی جس کا شوہر دیوتا ''یوزینس'' تھا۔ جیا تمام ارضیاتی اشیاء کی ماں تھی۔ زیس اور ہیرا کی اولاد نرینہ میں ایرس،اپالو، ہرمیس اور ہی فیئس شامل تھے۔ اپالو سورج کا دیوتھا جو کہ نور کے علاوہ صداقت، راستی اور عقلیت کا پاسباں بھی تھا۔ ایرس جنگ کا دیوتھا۔ زیس اور ہیرا کی ایک بیٹی بھی تھی جس کا نام ''اتھینا'' نام تھا (3) جو کہ دانش وخرد، علم وشائستگی اور کھیتی باڑی کی محافظ تھی۔ یونانی دیوتا اور دیویاں انسانی خصوصیات کی حامل اور انسانی معاملات میں براہ راست دلچسپی رکھتے تھے۔ (4)

اب تک جن قدیم مذاہب پر بحث کی گئی ہے، ان کا تعلق ایشائی اور آریائی مذاہب سے تھا۔ یہ مذاہب اگرچہ صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں تاہم ان مذاہب کا ہندومت، یہودیت اور عیسائیت پر گہرا اثر رہا ہے۔ آئندہ صفحات میں دوسرے غیر الہامی ادیان ہندومت، بدھ مت، کنفیوشش ازم، اور یونان کے روحانیت پسند ومادیت پسند افکار کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے گا۔

ہندومت ہندوستان میں آریائی عقائد اور طرز معاشرت کی آئینہ دار ہے۔ ہندوستان کے قدیم باشندے دراوڑوں کو، جو زیادہ تر دریائے سندھ کے کنارے آباد تھے، جب شکست دی گئی تو سندھ کا نام فارسی تلفظ کے مطابق پہلے سندھو اور بعد میں ہندو پڑگیا۔ بعد آزاں دریائے سندھ کے کنارے آباد یہ لوگ ہندو کہلائے اور ان کے عقائد وطرز معاشرت کو ہندومت کا نام دیا گیا۔

عقائد کے لحاظ سے ہندو مت کثرت پرستی، مظاہر پرستی اور حیوان پرستی پر مشتمل ہے تاہم ویدوں میں ایک اعلیٰ اور برتر ہستی کا تصور بھی ملتا ہے۔ اگرچہ ہندومت میں دیوتاؤں کی ایک کثیر تعداد پائی جاتی ہے لیکن اس

---

(1) رشید احمد، تاریخ مذاہب، زمرد پبلی کیشن، لاہور،۲۰۰۲،ص ۱۷۹ تا ۱۹۷

(2) جیالوجی یعنی ارضیات اور جیوگرافی یا جغرافیہ اسی کے نام یادگار ہے۔

(3) یونان کا مشہور شہر ''ایتھنز اسی کے نام سے منسوب ہے۔

(4) جلال پوری , علی عباس، کائنات اور انسان، تخلیقات مزنگ روڈ لاہور،ص ۳ تا ۸

کے ساتھ ساتھ وحدانیت کا تصور بھی ملتا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ ذات ابدی ہے، واحد ہے، اس کی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہا۔ وہ مختار ہے قدیر ہے، حکیم ہے، زندہ رہنے والا ہے، کائنات کا بادشاہ ہے اور ہرمشابہت سے بالا تر ہے (1) عقیدہ تناسخ اور قربانی ہندومت کی امتیازی علامات ہیں۔ سماجی اورمعاشرت زندگی چار طبقات، برہمن، کھشتر ی، ویش اور شودر میں منقسم ہے۔ ہندومذہب کے عقائد، کتب، تعلیمات اور معاشرتی وسماجی زندگی کا تفصیلی جائزہ اس مقالے کے چوتھے باب میں پیش کیا جائے گا۔

بدھ مت ہندومت کا تسلسل اور ردعمل ہے، جس پر ہندو دھرم کے عناصر کا شدید غلبہ ہے۔ بدھ مت میں عقائد سے زیادہ معاشرتی اور اخلاقی زندگی کی اصلاح پر زور دیا گیا ہے۔ معاشرتی قوانین ماوراء الطبعیاتی اور اخلاقی رجحانات کا مجموعہ ہے۔ بدھ مت میں ایک طرف اپنشد کے بتائے ہوئے اصولوں کو منطقی طور سے بروئے کار لانے کی کوشش کی گئی ہے، دوسری طرف یہ ہندو دھرم کی کثرت پرستی کے باعث پیدا ہونے والی اخلاقی الجھنوں کے خلاف ایک کامیاب ردعمل بھی ہے۔ ایک اعلیٰ ہستی کا واضح تصور نہ ہونے کی وجہ سے عبادت پر بھی زیادہ زور نہیں دیا گیا ہے۔ توبہ اور کفارے کی بھی گنجائش نہیں اس لئے کہ بدھ مت کے مطابق برائیوں اور خرابیوں کا خاتمہ توبہ یا کفارہ سے نہیں افراد کی زندگی میں بنیادی تبدیلیوں کے ذریعے سے کیا جاسکتا ہے۔

بدھ مت کے مطابق انسان کے مصائب وآلام کے وسیع دائرے میں تین بنیادی چیزیں شامل ہیں۔

(۱) رنج والم، جن سے انسان آئے دن دوچار ہوتا ہے، جن میں بڑھاپا اورعورت اہم ہیں۔

(۲) عارضی زندگی یا انیکا (Annica) جس کا مطلب ہے کہ دنیامیں ہر چیز بدلتی رہتی ہے اور کوئی چیز اپنی حالت برقرارنہیں رکھ سکتی۔

(۳) غیرحقیقی دنیا یا اناتھا (Anatha)۔ یعنی یہ کہ عدم ثبات اور فنا سب سے بڑھ کر مصیبت ہے۔

گوتم بدھ نے اپنے مذہب میں چار اعلیٰ صداقتوں یعنی آریہ سیتہ کی نشاندہی کی ہے،

(۱) زندگی دکھ ہے۔

(۲) دکھ کا سبب خواہشات ہیں۔

(۳) خواہشات سے خود کو بچایا جا سکتا ہے۔

(۴) اس کیلئے سخت ریاضت، یعنی گھوایتیا کے ساتھ درمیانی راستہ یا دشت مارگ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

بدھ مت میں آٹھ باتوں کی تاکید کی گئی ہے۔

(۱) صحیح علم، (۲) صحیح ارادہ، (۳) صحیح عمل (۴) صحیح جدوجہد (۵) صحیح سلوک (۶) صحیح کلام (۷) صحیح

---

(1) امولیہ رنجن مہاپتر، فلسفہ مذاہب، اردو ترجمہ یاسر جواد، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۰۱، ص ۲۵

یاداشت (۸) صحیح غور وفکر(1)

کنفیوشش ازم نے چینی معاشرے پر دیر پا اثرات مرتب کئے ہیں۔کنفیوشش کا اصلی نام کنگ چن تھا۔ بیوہ ماں نے تنگ دستی اور محنت ومشقت کی زندگی گزار کر اس کی پرورش کی۔ ابتداء میں وہ زراعت اور جانوروں کی نگہداشت اور تعلیم وتدریس کے پیشے سے منسلک ہو گئے۔کنفیوشش ازم کا تعلق زیادہ تر اخلاقیات اور انسان کے سماجی وسیاسی پہلوؤں سے ہے، اس لئے کنفیوشش کو اخلاقیات کا معلم کہا جاتا ہے۔کنفیوشش نے عقائد سے زیادہ انسان اور معاشرے میں انسان کے فرائض پر زور دیا۔ تاہم آن کے تعلیمات میں خدا کا تصور پایا جاتا ہے۔جس کا ثبوت چینی زبان میں مستعمل دو الفاظ شنگٹی (Shingti) اور ٹی۔ ین (T. Ien) ہیں جو کہ باترتیب حاکم مطلق اورآسمان کے معنی رکھتے ہیں۔ اور کنفیوشس کی تقریروں میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں۔کنفیوشش کی تعلیمات کے مطابق خدا ایسے قانون وضع کرتا ہے جس کے سبب کائنات وجود میں آئی ہے اوراپنے مقررہ وقت تک قائم رہے گی۔ وہ اپنی شریعت انسان پر عیاں کرتا ہے جس پر عمل کر کے انسان مقصد حیات حاصل کرسکتا ہے۔(2)

سماجی سلسلے کی تشکیل نو اور اصلاح کیلئے کنفیوشش کے چار نظریات قابل ذکر ہیں۔ پہلا نظریہ لی (Li) کا ہے جو رسومات اور تعظیم کا نام ہے اسے درست راستہ یا درست رویہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ لی انسان کی اندرونی فطرت اور رویئے کا بنیادی اصول ہے۔ دوسرا نظریہ یی (Yi) کا ہے جس کا مطلب چیزوں کو سرانجام دینے کا بہترین طریقہ ہے۔''یی'' چیزوں کا وہ انداز عمل ہے جو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ اپنی اپنی فطرت کے مطابق کام کریں۔ اور یہی بہترین طرز عمل ہے۔ تیسرا نظریہ جن (Jen) کا ہے جس کا معنی ومفہوم سماجی اعتبار سے بہترین کام کرنے پر آمادگی ہے۔''جن'' کے مطابق ضروری ہے کہ ہر فرد کو اس کی فطرت کے مطابق کام کرنے کی اجازت دی جائے۔ چوتھا اور آخری نظریہ چر (Chir) کا ہے یہ مثالی حالت کا نام ہے جو درجہ بدرجہ حاصل ہوتی ہے۔اس میں ہر شخص کسی سوال کا سامنا کئے بغیر زندگی گزارتا ہے۔(3)

یونانی فلسفہ کا آغاز ''آئیونیا'' (Ionia) سے ہوا جہاں مفکرین نے تمام تر توجہ اس نکتے کی طرف مبذول کی کہ اس عالمگیر مادہ کا سراغ لگا یا جا سکتا ہے جہاں پہنچ کر تما عناصر متحد ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے عناصر اربعہ پانی،ہوا،مٹی اور آگ دریافت کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ دویا دو سے زیادہ عناصر کا مجوعہ حقیقت اولی کی حیثیت رکھتا ہے جس سے تمام چیزیں پیدا ہوئی ہیں۔

---

(1) مہا پتر،امولیہ رنجن، فلسفہ مذاہب، مترجم، یاسر جواد،فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۰۱،ص۱۸۴،۱۸۵

(2) ایضاً۔

(3) چودھری غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی کا مطالعہ،علمی کتاب خانہ کبیر سٹریٹ اردو بازار لاہور،ص۳۲۰

یونانی فلسفہ ابتداء ہی سے روحانیت اور مادیت کی کشمکش سے عبارت ہے۔ روحانیت پسندوں کے نزدیک مادی کائنات اور مادی اشیاء عالم مثال کا عکس ہے اور حقیقی عالم مثال ہے۔ جبکہ مادیت پسندوں کے نزدیک مادہ ہی حقیقت ہے اور ماورائے مادہ اشیاء کا کوئی وجود نہیں ہے۔

یونانی فلسفہ کا بانی اور موجد طالیس (Thales) کو مانا جاتا ہے، جو کہ ۶۳۰ قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔ طالیس عالم کی حقیقت پر غور کر کے اس نتیجے پر پہنچا کہ عناصر اربعہ میں اصلی عنصر پانی ہے جس کے ذریعے کائنات وجود میں آئی ہے۔ اس کے شاگرد انیکسی مینڈر (Anaximander) نے ۵۴۶ قبل مسیح میں مزید تحقیقات کیں اور اس نتیجے پر پہنچا کہ زمین کسی بھی سہارے پر قائم نہیں بلکہ بغیر کسی سہارے کے گھوم رہی ہے۔ اس کے نزدیک انسان مختلف الانواع جانوروں کی اولاد ہے۔ اس نے ایتھر کو بنیادی عنصر بتلادیا۔ یونانی فلسفی ہر اقلیتوس (Heraklaettos) مذہب کا سب سے بڑا اور کھلا دشمن رہا جس نے مذہب کو مقدس بیماری کا نام دیا۔ ہر اقلیتوس کے نزدیک آگ کائنات کا اصلی عنصر تھا۔

امپیڈوکلیس (Empedocles) نے ثنویت کا عقیدہ پیش کیا۔ دیمقراطیس (Democritus) نے عالم اجسام کو مادہ کی حرکت اور قوت اتصال کی مختلف صورتیں قرار دیا۔ لاادریت کے حامیوں اور مذہب پر شدید تنقید کرنے اور نکتہ چینی کرنے میں ''یوری پیڈس'' (Euripieds) اور لکریٹس سرفہرست ہیں۔ اول لذکر نے مسلمہ عقائد کو چیلنج کر کے خداؤں پر شدید نکتہ چینی کی جبکہ موخر لذکر کے نزدیک مذہب کو حق وصداقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ روحانیت پسند یونانی فلاسفروں کے سرخیل مشہور ریاضی دان فیثا غورث ہیں جنہوں نے ریاضی کے ذریعے کائنات کے وجود اور اس کی بقاء کی تشریح کی۔ روحانیت فلسفہ کو فیثاغورث کے شاگرد سقراط نے عروج اور ترقی دی۔ سقراط کے نزدیک خدا واحد، عادل، عاقل، عالم اور تمام جہانوں کا رازق اور خالق ہے۔ سقراط ہی نے سب سے پہلے خیر وشر کی وضاحت کی اخلاق کی درستگی کیلئے علم کو ضروری قرار دیا۔ سقراط کے شاگرد افلاطون نے سقراط کے افکار کو مزید وسعت دی اور فلسفہ کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ افلاطون کے نزدیک روح غیر فانی ہے۔ زندگی عارضی قید کا دوسرا نام ہے۔ ارسطو کے نزدیک خدا غیر متحرک اعلیٰ (Prime Unmoved Mover) اور جسم سے بالاتر ہے۔ وہ خالص روح یا تصور کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے اندر مادے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ (1)

---

(1) رشید احمد، تاریخ مذاہب، زمرد پبلی کیشن، لاہور، ۲۰۰۲، ص ۱۷۹ تا ۱۹۷

فصل چہارم

عقیدے کی ضرورت واہمیت

انسانی اعمال دوقسم کے ہیں، اختیاری اور غیرا ختیاری اعمال۔ اختیاری افعال کو مزید دواقسام، ارادی اورانتخابی اور غیر ارادی وغیرانتخابی افعال، میں تقسیم کیاجا سکتا ہے۔ انسان کے تمام اختیاری افعال، چاہے ارادی ہو یا غیر ارادی، انسانی خیالات ہی ہوتے ہیں۔ جب یہ انسانی خیالات غیرمتزلزل اور غیرمشکوک صورت اختیار کر کے دل ودماغ میں سرایت کرجاتے ہیں،تو انہی غیرمشکوک اور اصولی خیالات کوعقائد کا نام دیا جاتا ہے۔

عربی زبان میں لفظ عقیدہ ''عقد'' سے ماخوذ ہے جس معنی ہے گرہ لگانا اور باندھنا۔سنسکرت میں اس کیلئے دھرم کا لفظ مستعمل ہے جو کہ باندھنے کو کہا جاتا ہے۔ گویا عقائد انسان کے منتشر اور غیرواضح خیالات وتصورات کا ارتکاز اور ان کو یکجا کرنے کا نام ہے۔ اسی طرح انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مطابق عقیدہ یقین واعتماد کی ذہنی صورت کو کہا جاتا ہے۔ (1) ونٹ کے نزدیک عقیدہ اس ذہنی رویئے کا نام ہے جس کا تجزیہ ممکن نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ عقیدے کے بارے میں سوائے اس بات کے کہ وہ ایسے ہی ہیں اور کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ ٹیچنر (Techaner) کے مطابق عقیدہ ایک جذبہ ہے، جس میں عملی فیصلہ اور ہیجانی رنگ کی آمیزش ہوتی ہے۔ کسی سچائی کے بارے میں صرف اتنا تو کہا جاسکتا ہے کہ فلاں بات درست ہے مگرعقیدے یا یقین کے بارے میں صرف احساس ہی موجود ہوتا ہے۔ (2)

انسانی شعور کس طرح ابتدائی احساسات سے خواہشات، خیالات، جذبات اور عقائد تک ترقی کرتا ہے؟ پھر یہ خیالات، جذبات اور عقائد کس طرح فنون، لسانیات .ادبیات، سائنسی علوم، مذاہب اور مختلف معاشرتی وسیاسی نظاموں پر اثر انداز ہوتے ہیں ؟ عقائد کے تشکیل میں کون سے نفسیاتی، معاشرتی اور معاشی عوامل کارفرما ہوتے ہیں؟ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جو''عقیدے کی ضرورت'' میں وضاحت طلب ہوتی ہیں۔

آئندہ سطور میں انہی نکات کی مختصر تشریح وتوضیح کی جائیگی۔

نفسیاتی اور حیاتیاتی پہلو:۔

دنیا میں بے جان اشیاء یعنی جمادات،جاندار اشیاء یعنی نباتات اور حیوانات اور ذہن رکھنے والی اشیاء، جو کہ حیوانات تک محدود ہیں، پائی جاتی ہیں۔ یہ اشیاء گویا نشونما وارتقاء کے تین مدارج ہیں۔ (۱) کسی نامعلوم اصل سے مادے تک۔ (۲) مادے سے زندگی تک۔ (۳) زندگی سے ذہن تک۔ ان تینوں مدارج میں مادہ کی نشونما

(1) Encyclopedia of Religion and Ethics. Vol. 8 P. 459.
(2) Ibid.

ہوتی ہے۔ سب سے نچلے درجے میں مادہ جو کہ جوہر اور سالمیات کی صورت میں ہوتا ہے، دوسرے درجے میں ایک ایسی چیز جس کو زندگی کے نام سے پکاراجاتا ہے۔ زندگی مادے کی طبیعی قوتوں کو نئے خواص اور ترقی کیلئے نامیاتی جسم کے اندر خلیوں اور بافتوں کے بنانے پر قدرت دیتی ہے۔ تیسرے درجے پر ایک ایسی چیز ظاہر ہوتی ہے جسے حیوانات اور انسان کے ذہن سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ذہن اور جسم لازم وملزوم ہیں۔ انسانی ذہن بیرونی دنیا کا علم اعضائے جسمانی کے ذیعے حاصل کرتا ہے اور بیرونی دنیا کیلئے اپنی ہستی کا مظاہرہ بھی اعضائے جسمانی کے ذریعے کرتا ہے۔ دماغ اور اعضائے جسمانی کے درمیان رابطہ اعصاب کے ذریعے ہوتا ہے۔ اعضائے جسمانی میں حواس خمسہ بیرونی اشیاء اعصاب کے ذریعے دماغ تک ارسال کرتے ہیں۔ دماغ،اعصاب اور دوسرے اعضائے جسمانی کے رابطے اور کارکردگی کو ذہنی اعمال کا نام دیا جاتا ہے۔ ذہنی اعمال کے تین پہلو قابل توجہ ہیں :

(ا) وقوف۔ (۲) احساس۔ (۳) طلب۔

وقوف جاننے کے ہر اس عمل کو کہا جاتا ہے جس کو درست سمجھ کر تسلیم کیا جائے یا غلط سمجھ کر رد کیا جائے۔ احساس کسی شئے سے پیداشدہ خوشی، پسند،یا ناخوشی اور ناپسند کرنے کی کیفیت کا نام ہے، جبکہ طلب شعور کا وہ پہلو ہے جو فعل سے تعلق رکھتا ہے، اور جستجوئی طلب اور احترازی طلب پر مشتمل ہوتا ہے۔

ذہنی عمل،جستجوئی اور احترازی طلب کے نتیجے میں مختلف اشیاء کا ادراک حاصل کیا جاتا ہے۔ ادراک اشیاء کا وقوف یا علم ہے جس کو معانی دی جاتی ہے، جس میں حافظے اور تخیل کا عمل دخل ہوتا ہے۔ حس ایک سادہ اور ابتدائی ذہنی عمل ہے جبکہ ادراک ایک مرکب ذہنی عمل ہے۔ اشیاء کی شناخت اور جستجوئی طلب کے زیر اثر حصول کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ پھر تصوراتی اور استدلالی قوت کے ذریعے زمان ومکان کی قید سے ماداراء لامحدود وجاوداں اشیاء کی معرفت حاصل کی جاتی ہے، کلی قوانین اور آفاقی حقائق کا ادراک کیا جاتا ہے۔ ادر جب انسانی تصورات اور خیالات لامحدود اور جاوداں اشیاء، کلی قوانین اور آفاقی حقائق کے بارے میں غیر مشکوک اور غیر متزلزل صورت اختیار کر لیتے ہیں تو ان کو عقائد کا نام دیا جاتا ہے۔

عقائد کی تشکیل میں کارفرما دیگر عوامل:۔

عقائد کی تشکیل میں نفسیاتی پہلو کے علاوہ انسانی شخصیت، سماجی، معاشرتی، معاشی اور جغرافیائی حالات کا بھی کافی عمل دخل ہوتا ہے۔ انسانی شخصیت اعصاب اوراعضائے جسمانی کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اعصاب کی مضبوطی اور کمزوری کا انسانی عقائد اور فکروعمل پر گہرااثر ہوتا ہے۔ اسی طرح سماجی اور معاشرتی حالات بھی عقائد کی تشکیل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ طبقاتی معاشروں کے افراد سماجی رتبے کے مطابق عقائد رکھتے ہیں۔ ذات پات میں منقسم ہندو معاشرہ برہمن اور شودر کے عقائد ان کے معاشرتی اور سماجی رویئے کے مظہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح

انسان فطرتاً آزاد پیدا ہوا ہے، لیکن نسل درنسل غلامی کی زندگی گزارنے سے جذبۂ حریت ختم ہو جاتا غلامی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اسی فطرت ثانیہ کے مطابق غلاموں کے عقائد، خیالات اور تصورات کی تشکیل ہوتی ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل عرصہ دراز تک مصر کے قطبیوں کے زیر دست رہ کر جذبہ حریت کھو چکے تھے اور یہودی عقائد اور افکار افعال میں مصر کے غلامی دور کا عکس نمایاں رہا ہے۔ جس کا اظہار اس وقت کیا گیا جب وادی تیہہ میں سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کی عبادت پر ساری قوم جھک گئی ۔ (1)

معیشت کا بھی انسانی عقائد کی تشکیل میں اہم کردار رہا ہے۔ ابتدائی معاشروں میں مظاہر پرستی، مقدس دھرتی ماں کا تصور اور اس کی عبادت، سورج آگ، پانی اور ہواؤں کے دیوتاؤں پر یقین معاشی ذرائع کی بدولت رہا ہے۔ ایک طرف اگر فقر وفاقہ انسان کو مایوسی کی طرف لے جاتی ہے تو دوسری طرف مادی وسائل کی کثرت اور فراوانی سے انسان مادی لذائذ کا خوگر ہو کر روحانی اور اخروی زندگی سے غافل ہو جاتا ہے۔ تاریخ میں فرعون مصر کا دعویٰ ربوبیت اور عوام کا مطیع ہونا مصر کے معاشی ذرائع اور وسائل پر تسلط کے اثرات تھے۔ اس کے علاوہ جغرافیائی حالات بھی انسانی جسم کے ساتھ ساتھ سوچ وفکر اور عقائد پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ ابن خلدون کے مطابق گرم اقالیم کے باشندوں کا سبک سر اور عقل سے بیگانگی جبکہ سرد ممالک کے افراد کی عاقبت اندیشی اور دور اندیشی جغرافیائی حالات کے آثرات میں سے ہیں۔ (2)

عقائد اگر ایک طرف نفسیاتی، سماجی، معاشرتی، معاشی اور جغرافیائی حالات کے زیر اثر تشکیل پاتے ہیں تو دوسری طرف انسان اجتماعی زندگی میں، عقائد کی روشنی میں فنون ادبیات، لسانیات، سماجی ومعاشرتی اور معاشی نظام وضع کرتا ہے۔ مصری اروح خبیثہ پر یقین رکھتے تھے، اس لئے ان کی تمام تر کوشش ہوتی کہ ''باء'' یعنی ارواح اور ''کا'' یعنی ہمزاد میں متوازن اور متناسب تعلقات قائم رہیں۔ اس مقصد کی حصول کیلئے وہ جسم یا نعش کو خراب ہونے سے بچانے کی کوشش کرتے۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے نعشوں کو خنوط کرنے کا فن ایجاد کیا۔ اہرام مصر اس عقیدے کے آئینہ دار ہیں کہ مردوں کے ارواح کو کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح دیوتاؤں کے تجسیم کے عقیدے کے زیر اثر فن سنگ تراشی نے ترقی کی اور معابد کی تعمیر سے فن تعمیر وابستہ رہی ۔

ادبیات اور لسانیات بھی معاشرے کے عقائد کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ قدیم ہندی، مصری، یونانی دیومالا اور صنمیات، لوک کہانیاں اور ماں کا بچے کو لوری سنانا مروجہ عقائد کے عکس ہوتے ہیں۔ ہومر کی رزمیہ شاعری، ہندوؤں کی رامائن اور مہابھارت وغیرہ عقائد کی روشنی میں ادبیات کا فروغ ہے، جبکہ مذہبی علامات اور

---

(1) القران، ۲۰:۸۵ تا ۹۷

(2) ابن خلدون , علامہ عبدالرحمن ، مقدمہ ابن خلدون، اردو ترجمہ مولانا سعد حسن خان یوسفی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی، سن اشاعت نامعلوم، ص ۹۹

آساطیر لسانیات کا سنگ بنیاد ہیں۔ اسی طرح دیوتاؤں کی حمد اور تعریف میں گائے گئے بھجن ادبی شہ پارے ہوتے ہیں، جن میں عقائد کا اظہار کیا جاتا ہے۔

سماجی اور معاشرتی نظام بھی عقائد کے زیر اثر پرورش پاتے ہیں۔ ہندوؤں کے اس عقیدے، کہ قادر مطلق نے جہانوں کی بھلائی کی غرض سے برہمنوں، کھشتریوں وشوں اور شودروں کو بالترتیب اپنے دہن، بازوؤں، رانوں اور پاؤں سے پیدا کیا ہے، (1) کی وجہ سے ہندو معاشرہ ورنوں میں تقسیم ہے۔ ہندوؤں کی اسی عقیدے کی وجہ سے کہ ''عورت کا وجود صرف اس لئے ہے کہ بچے دیں، ان کی پرورش کریں اور ہر روز خانہ داری کے کام میں مصروف رہیں،(2)عورت کا سماجی اور معاشرتی رتبہ متعین کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام کا معاشرتی نظام عقیدہ توحید پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رحیم، کریم اور غفور ہونے کے عقیدے سے ایک مسلمان کے دل ودماغ میں اخوت، ایثار اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک آدمؑ کی اولاد کے عقیدہ سے انسانی مساوات اور معاشرتی انصاف کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ معاشی نظام بھی عقائد کی روشنی میں وضع کیا جاتا ہے۔ مادیت پسند نظریات اور عقائد نے موجودہ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کو جنم دیا۔

اب تک کی بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انسان عقیدہ وایمان کے بغیر نہ صحیح زندگی گزار سکتا ہے اور نہ بشریت اور تمدن بشریت کیلئے کوئی مفید وثمر بخش کام سرانجام دے سکتا ہے۔عقیدہ وایمان سے خالی انسان کی خود غرضی میں یہ عنصر نمایاں ہوتا ہے کہ ذاتی چکر سے کبھی بھی باہر نہیں نکل سکتا اور اپنی زندگی میں اخلاقی وسماجی مسائل حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کو نہیں پہچانتا۔ لادینی عقائد سے بھی کسی حد تک معاشرتی اور سماجی مسائل اور ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے تاہم جس طرح لادینی عقائد میں استقلال اور استحکام نہیں ہوتا، ہر لحہ تغیر وتبدل کے شکار ہوتے ہیں اسی طرح یہ احساس ذمہ واری بھی عارضی اور ناپائیدار ہوتا ہے۔

مذہبی عقائد سے انسان میں وہ تغیر اور ایسی اطاعت وتسلیم کی حالت پیدا ہوتی ہے کہ اس کو کسی بھی مسئلہ کے بارے میں شک وتردد نہیں ہوتا۔عقیدہ وایمان اس قدر عزیز، محبوب اور گراں بہا چیز کی صورت اختیار کر لیتا ہے کہ اس کے بغیر زندگی بے حقیقت اور بے معنی دکھائی دیتی ہے اور اس کے دفاع میں انسان اپنی پوری غیرت وحمیت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

مذہبی عقائد اور ایمانی رجحانات اس چیز کا باعث بنتے ہیں کہ انسان اپنے فطری، طبیعی میلانات کے خلاف کام سرانجام دے دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی تمام تر حیثیت اور ہستی بھی ایمان کی راہ میں لٹا دیتا ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان کے نظریات اور عقائد تقدس کا پہلو لئے ہوئے ہوں اور یہی عقائد انسانی وجود پر

---

(1) منو، منودھرم شاستر، ۱:۳۱

(2) منوشاستر، ۹:۲۷

حاکمیت مطلق قائم کرلیں۔ فقط مذہبی قوت یہ قدرت رکھتی ہے کہ نظریات کو تقدس عطا کر سکے اور پوری طاقت سے انسان پر ان کا حکم لاگو کر سکے۔

بعض اوقات لوگ عقیدے ومذہب کے بغیر دباؤ، عداوت اور انتقامی جذبات کے تحت ظلم وستم کے خلاف شدید ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ اس راہ میں فدا کاری کرتے ہیں، اپنی جان ومال عزت وآبروسب کچھ قربان کردیتے ہیں۔ جس کی مثال ہم دنیا کے گوش وکنار میں دیکھتے ہیں۔ لیکن ایک مذہبی اور غیر مذہبی نظریہ کا فرق یہ ہے کہ جہاں کہیں مذہبی نظریہ کا مسئلہ ہو اور اسے تقدس حاصل ہو جائے تو قربانی مکمل رضامندی اور طبعی طور پر دی جاتی ہے۔ لہٰذا رضاورغبت وایمان کے تحت انجام پانے والا کام ایک طرح کا انتخاب ہوتا ہے، جبکہ عالمی اور خارجی دباؤ کے تحت ہونے والا کام ایک طرح کا ردعمل ہوتا ہے۔

مذہبی عقیدہ وایمان انسان اور کائنات کے کلی اہداف کے درمیان ہم آہنگی کا کردار کرتا ہے۔ خشک، سرد، مادی اور میکانی دنیا کو زندہ باشعور اور آگاہ دنیامیں تبدیل کرتا ہے۔ مذہبی ایمان دنیا اور کائنات کے بارے میں انسان کی فکر ونظر کو بدل دیتا ہے۔

عقیدے کی ضرورت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انسان کی جبلت میں قابل پرستش ومقدس واقعات کی طرف میلان موجود ہے۔ انسان میں متعدد میلانات اور بعض غیر مادی صلاحیتیں مخفی ہوتی ہیں، جنہیں پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔ یہ انسانی میلانات چونکہ موجود ہیں تاہم ان کی نشوونما اگر درست نہ ہو اور ان سے ٹھیک طرح فائدہ اٹھایا جائے تو یہ منحرف راستے پر چل نکلتے ہیں، اور ناقابل تصور نقصانات کا باعث بنتے ہیں۔ بت پرستی، شخصیت پرستی، طبیعت پرستی اور ہزاروں قسم کی پرستشیں اسی انحراف سے پیدا ہوتی ہیں۔

پس چونکہ انسان کیلئے کسی عقیدوایمان اور نظریئے کا حامل ہونا ضروری ہے اور دوسری طرف فقط مذہبی عقیدہ وایمان ہی ایسا ہے کہ جو حقیقی طور پر انسان کو اپنے زیر اثر کرنے کی قدرت رکھتا ہے، مزید براں انسان اپنی سرشت میں کسی ایسی چیز کی تلاش میں رہتا ہے جسے وہ مقدس قرار دے کر اس کی پرستش کرے۔ اس لئے واحد راستہ یہ ہے کہ مذہبی ایمان کو تقویت دی جائے۔ قرآن سب سے پہلی کتاب ہے جس نے بڑی صراحت کے ساتھ مذہبی عقیدہ کو عالم خلقت کے ساتھ ہم آہنگ بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ(1)

کیاوہ دین خدا کے سوا کسی اور چیز کی جستجو کرتے ہیں، جبکہ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اس کے حضور سر تسلیم خم ہیں۔

---

(1) القرآن، ۳:۸۳

نیز یہ کہ قرآن مذہبی ایمان کو انسانی فطرت قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا(1)

حق طلب ہو کر اپنا رخ دین حنیف کی طرف کرلے وہی دین، جو اللہ کی فطرت ہے کہ جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔

مذہبی عقائد اور ایمان سے انسان کے انفرادی اور اجتماعی زندگی پر مثبت اور خوش کن اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مذہبی ایمان کائنات، خلقت اور ہستی کے بارے میں انسان کو خوش بین بنادیتا ہے۔ خلقت کو بامقصد قرار دیتا ہے۔ مذہبی ایمان کائنات اور اس میں کارفرما اصول کے بارے میں انسان کو بتاتا ہے کہ کائنات کی تخلیق انسان کیلئے کی گئی ہے اور تمام ستارے وسیارے انسان کیلئے مسخر کئے گئے ہیں۔ کائنات میں کارفرما اصول وضوابط گرمی وسردی انسانی ضروریات کیلئے ہیں۔ اسکے برعکس مذہبی یمان سے تہی دست انسان کے نزدیک کائنات کی خلقت بے مقصد اور سب علم ہستی ظلم اور بے انصافیوں کا مجسمہ ہے۔ ایسا فرد دنیا سے لذت نہیں پاسکتا۔ اس کیلئے دنیا ہمیشہ ایک ہولناک زنداں کی مانند ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (2)

جو کوئی میرے ذکر سے روگردانی کرے گا، تو اس کی زندگی بہت تنگی اور دباؤ میں بسر ہوگی۔

مذہبی عقیدے کا دوسرا اثر نتیجے اور اچھی جدوجہد کے بارے میں پرامید ہونا ہے۔ ایک بایمان شخص کی نظر میں کوشش وجد جہد کے حوالے سے کائنات کا ردعمل ایک جیسا نہیں ہوتا بلکہ نظام خلقت ان لوگوں کا حامی ہے جو حقیقت میں عدالت وخیرخواہی اور صحیح ودرست راستوں پر محنت وکوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (3)

اگر آپ خدا کی مدد کریں (حق کے راستے میں قدم بڑھائیں) تو اللہ بھی آپ کی مدد کرے گا۔

اور یہ بھی ارشاد ہے کہ :

---

(1) القرآن، ۳۰:۳۰ (2) القرآن، ۲۰:۱۲۴

(3) القرآن، ۴۷:۷

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (1)

بے شک اللہ نیک لوگوں کا اجر وصلہ کبھی ضائع نہیں کرتا ہے۔

مذہبی ایمان کاایک مسرت بخش پہلو معنوی اورروحانی لذت ہے۔ انسان دوطرح کی لذتوں سے آشنا ہے۔ ایک لذت جس میں انسان کی کوئی حس خارجی چیز سے ایک خاص رابطہ قائم کرتی ہے، جبکہ دوسری لذت کا تعلق حواس کی بجائے انسان کی روح اور وجدان سے ہے اور کسی خاص عضو سے مربوط نہیں ہوتی ۔ جیسے نیکی اور خدمت کرنے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، کامیابی اور کامرانی سے خوش اور مسرور ہونا وغیرہ۔

معنوی لذات مادی اورحسی لذتوں کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور اور دیر پا ہوتی ہے۔حق پرست عرفاء کو عبادت وبندگی خدا سے حاصل ہونے والی لذت ایک ایسی ہی لذت ہے۔ وہ عارف وعابد لوگ جو عباوت کی خشوع وخضوع اور استغراق کی دولت سے مالامال ہوعظیم ترین لذتیں حاصل کرتے ہیں جسے دینی اصطلاح میں طعم ایمان اور حلاوت ایمان سے یاد کیا جاتا ہے ایمان کی حلاوت وشرینی ہرحلاوت سے بڑھ کر ہے۔ لذت معنوی اس وقت دوچند ہو جاتی ہے جب علم احسان،خدمت، کامیابی وکامرانی جیسے امور دینی احساس کے ساتھ پھوٹیں، خدا کیلئے انجام پائیں اورعبادت کے زمرے میں آئیں۔

اجتماعی زندگی میں مذہبی ایمان حقوق کا احترام، عدالت کا تقدس اور دلوں میں الفت واعتماد پیدا کرتا ہے۔ انسان کے قلب وروح پر تقویٰ وپرہیز گاری کی حکومت قائم کر دیتا ہے۔ اخلاقی قدروں کو قابل قدر اورمعتبر بنادیتا ہے۔تمام افراد کو ایک جسم کی مانند قرار دے کر متحد رکھتا ہے۔

مذہبی ایمان سے پریشانیوں میں کمی ہوتی ہے۔ انسانی زندگی میں جہاں خوشی، مسرت سروروشادمانی اور کامیابی دکھائی دیتی ہے، وہاں یہ زندگی مصیبت، رنج، ناکامی، تلخی، شکست اورمحرومی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ ان میں بہت سی مصائب کوتو دور کیا جاسکتا ہے، اگرچہ اس کیلئے بہت کوشش کرنی پڑتی ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ عالم طبیعت کے ساتھ پنجہ آزمائی کرنا اورتلخی کوشرینی میں بدلنا انسان کی ذمہ داری ہے۔لیکن دنیا کے بعض واقعات ایسے ہیں جنہیں انسان روک سکتا ہے اور نہ انہیں دور کرنے کی طاقت رکھتا ہے مثلاً بڑھاپا اورموت وغیرہ، جو ہمیشہ انسان کیلئے باعث پریشانی ہے۔

مذہبی عقیدہ انسان میں استقامت پیدا کرتا ہے۔ باایمان شخص کے نزدیک مشکلات اور مصائب میں اگر انسان کا ردعمل درکار اصولوں کے مطابق ہوتو اس کا نقصان ممکن ہے ناقابل تلافی ہولیکن اللہ تعالیٰ کسی اورطریقے سے اس کا ازالہ کردیتا ہے۔ بڑھاپا زندگی کا اختتام نہیں بلکہ باایمان شخص تو ہمیشہ فرصت کے لحات کے عبادت اور ذکر خدا سے پر کردیتا ہے۔ بڑھاپا اس قدرمحبوب ومطلوب بن جاتا ہے کہ خداپرستوں کو جوانی سے زیادہ بڑھاپے

(1) القرآن، ۹:۱۲۰

میں مزہ آتا ہے۔ تبھی ازایمان آدمی کی نظر میں موت کا جو چہرہ ہوتا ہے وہ باایمان شخص کی نظر میں بدل جاتا ہے۔ ایسے شخص کی نظر میں موت فنا ونابودی نہیں بلکہ یہ فانی دنیا سے پائیدار اور باقی رہنے والی دنیا کی طرف منتقلی کا نام ہے۔ یہ ایک چھوٹے جہان سے بڑے جہان کی طرف روانگی ہوتی ہے۔عمل اور بیج بونے کے میدان سے نتیجہ اور پھل حاصل کرنے کے میدان میں جانا ہوتا ہے۔ اس طرح باایمان شخص نیک کاموں میں، جنہیں اعمال صالحہ کہا جاتا ہے، حصہ لے کر موت کے خیال سے پیدا ہونے والی پریشانیوں میں کمی کر دیتا ہے۔

فصل پنجم

عقیدہ قرآن وسنت کی روشنی میں

اسلامی تعلیمات کے دو بڑے حصے ہیں، ایک اعتقادات اور دوسرے اعمال صالحہ۔ قرآن مجید نے اعتقاد کو اعمال کا اساس قرار دیا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں عقیدہ کو ایمان کہا جاتا ہے اور اعضائے جسمانی میں ایمان کا محور و مرکز دل کو تسلیم کیا ہے۔ عام بول چال میں بھی انسانی خیالات ورتصورات کو دل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بتایا ہے کہ انسان کے تمام اعضاء میں دل ہی نیکی اور برائی کا گھر ہے۔ فرمایا

أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (1)

انسان کے تمام بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست ہے اور اگر بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑا جاتا ہے، ہاں وہ ٹکڑا دل ہے۔

چونکہ انسانی اعمال اعضائے جسمانی سے وابستہ ہوتے ہیں اور اعضائے جسمانی سے ہی سرزد ہوتے ہیں اس لئے جب تک اس کا محور درست نہ ہو تب تک دیگر اعمال کی درستگی ممکن نہیں۔ دل انسانی اعمال کا محرک ہے اور دل کے ارادے اور نیت کے مطابق ہی اعمال ہوتے ہیں اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

. إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ (2)

تمام کاموں کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے کام کا وہی ثمرہ ہے جس کی وہ نیت کرے۔ تو جس نے ہجرت کی غرض دنیا کا حصول یا کسی عورت سے نکاح کرنا تو اس کی ہجرت اسی کیلئے ہے جس کیلئے اس نے ہجرت کی ہے۔

انسان کی عملی اصلاح کیلئے اس کی قلبی اور ذہنی اصلاح مقدم ہے۔ انسان کے دل اور ارادہ پر اس کا

---

(1) محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، اردو ترجمہ مولانا سید عبدالمائم الجلالی البخاری، المکتبہ عربیہ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور، ۱۹۹۵، کتاب الایمان، باب فضل استبراء لدینہ، ص ۱۲۳

(2) ایضاً، کتاب بدء الوحی، باب کیف بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ص ۹۱ (۱:۱:۱)

عقیدہ حکمران ہے۔ اس لئے عمل صالح کیلئے ضروری ہے کہ چند صحیح اصول ومقدمات کا اس طرح تصور کیا جائے کہ وہ دل کا غیر مشکوک یقینی اور غیر متزلزل عقیدہ بن جائیں، اور اسی طرح صحیح یقین اور مستحکم عقیدہ کے تحت اعمال صالحہ سرانجام دی جائیں۔ قرآن مجید اور آحادیث نبوی ﷺ میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو جب تک ایمان کی قوت شامل نہ ہو، اس کے دیرپا اثرات مرتب نہیں ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایمان کا ذکر ہمیشہ عمل صالح سے پہلے کیا گیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایمان کے بغیر کسی کا کوئی بھی عمل قبول نہیں کیا جا سکتا ہے۔ عدم ایمان سے دل کا ارادہ اور خصوصاً وہ مخلصانہ ارادہ معدوم ہو جاتا ہے جس پر حسن عمل کا دارومدار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے عائشہؓ نے جب عبداللہ بنی جدعان، جس نے عہد جاہلیت میں نیکی کے کام کئے تھے، کے بارے میں دریافت کیا کہ یا رسول اللہ عبداللہ بنی جدعان نے جاہلیت میں جو نیک کام کئے ہیں ان کا ثواب اس کو ملے گا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں عائشہ کیونکہ کسی دن اس نے یہ نہیں کہا کہ یا الٰہی میرے گناہوں کو قیامت میں بخش دے۔ (1)

اسی طرح بدر کی لڑائی کے موقع پر بھی جب ایک مشرک نے مال غنیمت کی خاطر نبی کریم ﷺ کو مسلمانوں کی طرف سے لڑنے کی پیشکش کی تو آپؐ نے اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک وہ ایمان نہیں لایا۔ (2)

قرآن مجید میں ایمان سے محروم لوگوں کے اعمال کو اس راکھ سے تشبیہ دی ہے جس کو ہوا کے جھونکے اڑا کر فنا کر دیتے ہیں اور ان کا کوئی وجود نہیں رہتا۔ اسی ہر شخص کے کام بھی جو ایمان سے محروم ہے، بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ، لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ (3)

جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا ان کے اعمال کی مثال رکھ کی ہے جس پر آندھی والے دن زور سے ہوا چلی اور وہ اپنے اعمال سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے، یہی سب سے بڑی گمراہی ہے۔

سورۂ نور میں ایمان سے محروم لوگوں کی مثال سراب سے دی گئی ہے کہ اس کے وجود کی حقیقت فریب نظر سے زیادہ نہیں ہے۔

---

(1) بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ۔ ج ۲۔ ص ۲۱۹

(2) صحیح المسلم، باب غزوات، ج ۲، ص ۱۰۶

(3) القرآن، ۱۴: ۱۸

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا (1)

اور جنہوں نے خدا کا انکار کیا ان کے کام اس سراب کی طرح ہیں جو میدان میں ہو جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس کے پاس پہنچے وہاں کسی چیز کا وجود اس کو نظر نہ آئے۔

ایمان سے محرومی کی ایک مثال ایسی سخت تاریکی سے دی گئی ہے جس میں ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا اور ہوش وحواس کی سلامتی کے باوجود ان سے کوئی فائدہ اٹھانا ممکن نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (2)

یا ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے گہرے سمندر میں سخت اندھیرا ہو، اس کے اوپر موج، اور موج پر پھر موج ہو، اور اس کے اوپر بادل گھرا ہو، اندھیرے میں ایک کے اوپر ایک کہ اس میں ہاتھ نکالے تو وہ بھی سوجھائی نہ دے، جس کو خدا نے نور نہ دیا ہو اس کیلئے نور نہیں۔

ایمان وعقیدے کے بغیر عمل کی بنیاد کسی بلند تخیل پر قائم نہیں ہوسکتی ہے، اس لئے ریا، نمائش اور خودغرضی کے کاموں کو کوئی عزت نہیں دی جاسکتی۔ وہ کام جو بظاہر نیک ہوں، لیکن نیکی کرنے والے کا اصلی مقصد نام ونمود پیدا کرنا ہو، تو بظاہر نیک اعمال کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (3)

اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو احسان رکھ کر اور اذیت دے کر اس طرح برباد نہ کرو، جس طرح وہ برباد کرتا ہے جو لوگوں کو دکھانے کیلئے اپنا مال

(1) القرآن، ۲۴:۳۹ (2) القرآن، ۲۴: ۴۰ (3) القرآن، ۲:۲۶۴

خرچ کرتا ہے اورخدا اور قیامت پر یقین نہیں رکھتا ہے، پس اس کی خیرات
کی مثال اس چٹان جیسی ہے جس پر کچھ مٹی پڑی ہو، ذراسا اس پر پانی برسا
اس پر اور مٹی دھل کر پتھر رہ گیا، جس پر کچھ بویا جائے گا وہ اگے گا نہیں
اور خدا کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

مختصر یہ کہ قرآن سنت کی روشنی میں عقائد تمام اعمال کی اساس ہے جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد اور بے وقعت ہے۔عقیدہ وایمان سیرابی کا اصل سرچشمہ ہے جس کے فقدان سے انسانی اعمال کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں رہتی ۔ کیونکہ وہ دیکھنے میں تو اچھے کام معلوم ہوتے ہین لیکن روحانی اجر اور فائدے سے خالی اور بے نتیجہ ہوتے ہیں۔ خدا کے وجود کا اقرار اور اس کی رضامندی انسانی اعمال کی غرض وغایت ہے۔ یہ نہ ہوتو تمام کام بے معنی اور بے مقصد ہوکر رہ جاتے ہیں۔ ایمان نور ہے، یہ نہ ہوتو پوری زندگی تاریکی ہوگی اور تمام اعمال وافعال کی بنیاد ریا،نمود ونمائش، جاہ پسندی، خود غرضی اور شہرت طلبی وغیرہ کے دلی جذبات۔ قرآن مجید نے چند سیدھے سادھے اصول، جو تمام تر ذہنی سچائیوں اور واقعی حقیقوں کا جوہر ہیں، کانام عقائد اور ان پر یقین رکھنے کانام ایمان رکھا ہے۔ قرآن مجید نے جن اصولی عقائد کی تلقین کی ہے ان میں اللہ تعالیٰ پر ایمان، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان، اللہ تعالیٰ کے رسولوں پرایمان، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان،اور اعمال کے جزاوسزاکے دن پر ایمان کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

یہ عقائد وہ تمام حقائق ہیں جن پر دل سے یقین کرنا اور اس کا زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے۔ ان کے بغیر خالص عمل کا وجود ممکن نہیں ۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کہ وہ اس کائنات کا تنہا خالق اور مالک ہے، کائنات کو بنانے اور قائم رکھنے والا ہے۔ وہ قادر مطلق اور علیم وخبیر ہے، ازل تا ابد موجود ہے، ناقابل تغیر رحیم اور غفور ہے، اور ہر ظاہروباطن سے آگاہ ہے۔ تاکہ وہی انسانی اعمال کا قبلہ ومقصود قرار پاسکے اور اسی کی رضاجوئی اور اس کی مرضی کی تکمیل انسانی اعمال کی تنہا غرض وغایت ہو سکے۔ خلوت اور جلوت میں اچھے اعمال ہوں اور اعمال سیئہ سے اجتناب ہو کہ وہی خالق کائنات ہے۔ اعضائے جسمانی کی ظاہری اور باطنی پاکیزگی ہو اور دل بھی ناپاک خیالات اور ہوس کی امیزش سے پاک ہو۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر اور اس کے پیغام کی سچائی پر دل سے ایسا یقین کرنا کہ ناپاک خیالات اور غلط استدلال گمراہ کن خواہشات بھی اس یقین میں شک وتذبذب پیدا نہ کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر بھی ایمان لاناضروری ہے کیونکہ خدا کے ان احکامات وہدایات اور اس کی مرضی کا علم انہی کے توسط سے انسانوں کو پہنچاہے، اگر رسولوں کی صداقت، سچائی اور راست بازی کوتسلیم نہ کیا جائے تو پیغام ربانی اور احکام الٰہی کی صداقت اور سچائی بھی مشکوک اور مشتبہ ہو جائے گی۔ پھر انسانو ں کے سامنے نیکی، اچھے اعمال اور معصومیت کا کوئی ایسا نمونہ نہیں رہے گا جوانسان کیلئے عملی تحریک کا باعث بن سکے۔ اچھے اور برے

صحیح اور غلط کاموں کے درمیان انسانی عقل کے سوا، جو جذبات کی محکوم ہے، کوئی اور چیز نہیں رہے گی جس سے انسان رہنمائی حاصل کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر بھی ایمان لانا واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان قاصد اور سفیر ہیں۔ مادیت اور روحانیت کے درمیان واسطہ ہیں۔ مخلوقات کو قانون الٰہی کے مطابق چلاتے ہیں اور انسانی اعمال وافعال کی نگرانی کرتے ہیں۔ ہر انسانی عمل کو محفوظ کرتے ہیں تاکہ اعمال کا اچھا یا برا بدلہ مل سکے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام وہدایات رسولوں کے ذریعے انسانوں تک پہنچائے گئے ہیں، یہ احکام اور پیغامات الہامی کتب اور صحائف کی صورت میں انسانوں کی رشد وہدایت کیلئے نازل کئے گئے ہیں۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق ہر قوم کیلئے اس کی زبان میں رشد وہدایت کی کتابیں اور صحائف بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور صحائف کی صداقت پر اور جو کچھ ان میں ہے، کی سچائی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ورنہ رسولوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے احکام اور ہدایات کے جاننے کا ذریعہ مسدود ہو جائے گا۔ انسان کیلئے نیکی وبدی کی تمیز کا کوئی ایسا معیار باقی نہیں رہے گا جس پر انسانوں کا اتفاق ہو سکے۔

اعمال کی باز پرس اور جواب دہی کا خطرہ نہ ہو، اور اس کے مطابق جزا وسزا کا خیال نہ ہو تو دنیاوی قوانین کے باوجود دنیائے انسانیت سراپا درندگی اور بہیمت بن جائے گی۔ یہی عقیدہ ہے جو انسانوں کو خلوت اور جلوت میں ذمہ داری کا احساس دلاتا ہے۔ اس لئے یوم جزا وسزا اور یوم آخرت پر ایمان رکھے بغیر انسانیت کی فلاح ونجات ممکن نہیں ہے۔ قرآن نے یوم جزا وسزا پر یقین وایمان کی بہت زیادہ تلقین کی ہے۔ مکی سورتوں کا بیشتر حصہ اسی کی تلقین وتبلیغ پر مشتمل ہے۔ یہی عقائد وایمانیات قرآنی تعلیمات کے بنیادی عناصر ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر اور روز جزا وسزا پر ایمان لانا۔ یہ عقائد قرآن کے متعدد آیات میں کہیں مجمل اور کہیں مفصل بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (1)

جو لوگ غیب پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ تم پر اترا اور تم سے پہلے اترا، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

---

(1) القرآن، ۲:۳، ۴

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (1)

اور نیکی یہ ہے کو جو شخص اللہ پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر کتابوں پر اور اس کے نبیوں پر ایمان لائے۔

یہی مضمون ایک اور جگہ یوں بیان کیا گیا ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (2)

رسول پر جو اتارا گیا، اس پر وہ خود اور تمام مومن ایمان لائے۔ سب خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ بتایا گیا ہے کہ ان عقائد سے انحراف کج روی اور گمراہی کا راستہ ہے۔ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا (3)

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسولوں پر، اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے، اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے نازل کی ہے اور جو شخص اللہ کا اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کی رسولوں کا اور روز آخرت کا انکار کرے گا وہ سخت گمراہ ہوا۔

قرآن میں جہاں عقائد وایمانیات کی اہمیت وضرورت اجاگر کی گئی ہے وہاں ان عقائد کو دلائل سے ثابت بھی کیا گیا ہے۔ یہ دلائل آفاق اور انفس پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

---

(1) القرآن،۲:۱۷۷ (2) القرآن،۲:۲۸۵

(3) القرآن،۴:۱۳۶

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ(1)

اب ہم ان کو اپنے نمونے کائنات میں خود ان کی جانوں میں دکھلائیں گے۔ یہاں تک کہ حق ان پر واضح ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کی واحدنیت اور یوم معاد پر آفاقی دلائل میں انسان کے علاوہ کائنات، زمین وآسمان، دن رات، شمس و قمر، ستارے وسیارے، ہوا، بادل اور سمندر پر تدبر اور غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ ساتھ ساتھ انسان کی پیدائش، انسان کے اندرونی قویٰ اور ان کی باہمی ترتیب، موت وحیات کے اسرار، انسان کی خیالی بلند پروازی اور عملی عجز ودرماندگی سے ان عقائد کو ثابت کیا گیا ہے۔

سورۂ روم میں پہلے انسان کی مٹی سے پیدائش، پھر اس میں عورت ومرد کے جوڑے ہونے کو، اور ان کے درمیان مہر ومحبت کے جذبات کا ظہور کو اپنی ہستی پر دلیل بنایا ہے۔ پھر اپنی قدرت کے دوسرے عجائبات کو جو زمین سے آسمان تک پھیلے ہوئے ہیں، ایک ایک کرکے پیش کیا ہے، مثلاً انسانوں کی پیدائش، پھر ان میں مرد وعورت کا ہونا، اور ان کے درمیان جذبات کی لہر، پھر مختلف قوموں کی شکلوں، رنگوں اور زبانوں میں اختلاف، انسانی اعمال کی کثیر الجہتی اور انسانی خیالات وافکار میں تنوع، یہ سب اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی نشانیاں ہیں۔ (2)

قرآن میں عقیدہ اور ایمان کی عقلی اور منطقی دلائل بھی دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ آسمان وزمین کا تمام نظام، یہ تمام قوانین قدرت اگر ایک کی بجائے دو طاقتوں میں منقسم ہوتے تو فساد برہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (3)

اگر زمین وآسمان میں اس ایک خدائے برحق کے سوا چند اور خدا ہوتے تو زمین وآسمان برباد ہو جاتے، پس پاک ہے عرش والا خدا ان باتوں سے جو یہ مشرک کہتے ہیں۔

توحید کے ثبوت کی دوسری دلیل نظام عالم کی وحدت ہے۔ سورج چاند، ستاروں سے لے کر انسان اور حیوان تک سب ایک مقررہ نظام کی پابند اور اصولوں کے ماتحت ہیں، جن میں کبھی سرمو فرق نہیں ہوتا۔ کائنات کی

---

(1) القرآن، ۴۱:۵۳ (2) القرآن، ۳۰:۲۰ تا ۲۵

(3) القرآن، ۲۱:۲۲

ہر شئے ایک اصول کی پابند اور یک عادت جاریہ کے مطابق چل رہی ہے۔ جیسا کہ سورج چاند اور دن ورات کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں:

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (1)

نہ سورج سے ہوکہ چاند کو پکڑ لے اور رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک چکر میں پھیرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر جہاں کائنات کی تخلیق اور اس میں کارفرما قواعد وضوابط کو دلیل بنایا ہے وہاں یہ بھی بتا یا گیا ہے کہ خود انسان کی فطرت، اس کی پیدائش، زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدنیت کی نشانیاں ہیں۔

عقائد میں توحید کے بعد جس کی زیادہ تلقین کی گئی ہے وہ عقیدۂ حیات مابعد الممات کا ہے۔ تاریخ بشری میں موت اور دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ انسانی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اس کائنات میں انسان جس حقیقت کا سب سے زیادہ معترف رہا ہے وہ موت کی حقیقت ہے۔ انسانی تاریخ کے کسی دور میں بھی اس کا انکار نہیں کیا گیا اور نہ یہ ممکن رہا ہے۔ البتہ جس تصور نے انسانی سوچ وفکر کو تقسیم کیا ہے وہ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ ہے۔

قرآن مجید کے مکی دور میں عقیدہ آخرت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ مکی سورتوں کا بیشتر حصہ عالم برزخ، جزاوسزا، یوم قیامت، یوم الحشر اور جنت ودوزخ کے واقعات پر مشتمل ہے۔ عام طور پر لوگ یہ سن کر حیرت زدہ ہوتے کہ کس طرح موت کے بعد دوبارہ زندگی ہوگی۔ وہ اس بات پر یقین کرنے کیلئے تیار نہیں تھے کہ جب انسان مرجا تا ہے اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جاتی ہیں تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (2)

کہنے لگا کہ کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب بوسیدہ ہوگئیں

قرآن مجید نے دلیل دی ہے کہ جس نے پہلے سب کو بنایا تھا وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ (3) اس کے علاوہ قرآن مجید نے آئندہ زندگی کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ایک موت سے لے کر قیامت تک اور دوسرا قیامت سے لے کر ابد یعنی ہمیشہ زندگی تک، جسمیں پھر موت وفنا نہیں۔ پہلے کا نام برزخ اور دوسرے کا نام ''بعث'' یا حشر

---

(1) القرآن، ۳۶: ۴۰ (2) القرآن، ۳۶: ۷۸ (3) القرآن، ۳۶: ۷۹

ونشر رکھا ہے۔ قرآن مجید نے دوسری زندگی کو الدارالآخرۃ اور عقبی الدار وغیرہ بھی کہا۔ جس میں اعمال کے بارے میں باز پرس ہو گی اور جزا وسزا ہو گی۔

دنیا کے تمام اعمال اور ان کے نتائج کی اصلی اور دائمی بنیاد عقیدۂ آخرت ہے۔ اگر یہ متزلزل ہو جائے تو اعمال انسانی کے نتائج کا ریشہ ریشہ دین سے اکھڑ جائے گا اس لئے تمام مذاہب نے کسی نہ کسی صورت میں دوسری زندگی کا اقرار کیا ہے۔

فصل ششم

عقیدہ فلاسفہ کی نظر میں

لفظ فلسفہ (Philosophy) یونانی لفظ (Philos) یعنی محبت اور دانش سے ماخوذ ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب دانش یعنی محبت کرنا ہے۔ اصطلاح ''دانش'' اپنے مفہوم میں بھرپور ہے اور یہ تجربی اور عقلی علم کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ زندگی کے اعلیٰ اقدار کی تحسین وتشخیص بھی ہے۔ سیسرو کے مطابق فلسفہ ہماری زندگی کا ہدایت کار، نیکی کا دوست اور بدی کا دشمن ہے۔ وائیٹ ہینڈ کہتا ہے کہ فلسفہ ہمہ گیر قدر کی تنقیدی سائنس ہے۔ ہربرٹ سپنسر کے خیال میں ایک کائناتی سائنس کی حیثیت سے فلسفے کا تعلق ہر چیز کے ساتھ ہے۔ ارسطو کے مطابق فلسفہ ایک ایسی سائنس ہے جو سچائی پر غور کرتی ہے۔ افلاطون نے کہا ہے کہ فلسفہ جینے اور مرنے کا ایک انداز ہے۔ جان ڈیوی کے مطابق فلسفہ کو جب بھی سنجیدگی سے لیا ہے اس نے ہمیشہ دعویٰ کیا کہ یہ ایسی دانش پر دلالت کرتا ہے جو طرز حیات کو متاثر کردے۔ (1)

ہندوستانی تصور فلسفہ مغرب کے تصور سے مختلف ہے۔ فلسفہ کیلئے بالعموم سنسکرت کا لفظ ''درشنم'' استعمال ہوتا ہے جس کے معنیٰ ''دیکھنا'' ہے۔ ہندوستانی فلسفیانہ نظاموں کا آغاز کسی قدیم اصول سے ہوا اور نہ ہی مشاہدہ کردہ حقیقتوں سے، بلکہ اس کی ابتداء کسی ماورائی احساس سے ہے، جس میں کائنات کی نوعیت کے متعلق سچائی براہ راست حاصل ہوتی ہے۔ (2)

فلسفہ اور عقیدہ کا نہایت گہرہ تعلق رہا ہے۔ ابتدائی دور میں فلسفہ اور مذہب کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا۔ فلسفہ نے مذہبی عقائد میں عروج پایا۔ ان کے درمیان خیالات اور فکر کا متواتر تبادلہ موجود تھا۔ فلسفہ سچائی کی تلاش اور اس پر غور وخوض کا نام رہا ہے۔ جبکہ مذہب حق وصداقت کے سامنے سرخم تسلیم کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ اور فلسفہ دونوں کا مقصد سچائی کی تلاش ہے تاہم دونوں کا طریقہ کار مختلف رہا ہے۔

حیاتیاتی طور پر اس کی وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دل ودماغ سے نوازا ہے۔ دل یقین، جذبے اور احساس کا مقام ہے اور ذہن علم وفہم اور استدلال کیلئے ہے۔ مذہب کا تعلق دل کے یقین اور جذبے ساتھ ہے جبکہ فلسفہ ذہن، فہم اور استدلال کے ساتھ وابستہ ہے۔ فلسفہ اور مذہب دو طریقہ کار ہیں جن کے تحت نفس کائنات کو زیر کرتا ہے، غیر مادی حقائق کی معرفت کی جاتی ہے۔ فلسفہ اور مذہب کچھ حد تک آپس میں

---

(1) امولیہ رنجن مہاپتر، فلسفہ مذاہب، اردو ترجمہ یاسر جواد، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۰۱، ص ۱۳، ۱۴

(2) ایضاً،

مختلف ضرور ہیں ایک حدتک دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ انجام کار یہ دونوں انسان کی معاشرتی زندگی کو بلند تر اور لطیف سطح پر لے جاتے ہیں۔

انسان کو ایک سچے عقیدے کی روشنی میں ایک بہتر فلسفے کی ضرورت ہوتی ہے۔ فلسفہ اور مذہب کا صرف ایک مقصد ہے، یعنی کثرت میں وحدت کی تلاش۔ صحیح عقیدے کی روشنی میں وضع کردہ فلسفہ حیات باعث سکون و اطمینان، ہم آہنگی، موزنیت اور نجات ہے۔ فلسفہ اور مذہب ایک ہی جیسے حالات پر غور کرتے ہیں، جیسے نفس اور اس کا ماٰخذ اور تخلیق کائنات وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر مذہبی علماء فلسفہ پر دسترس رکھتے تھے اور مشہور ومعروف فلاسفر ایک ہی مذہب سے تعلق نہ رکھنے کے باوجود بنیادی حقائق یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قوانین فطرت کے قائل رہے ہیں۔

ابتدائی انسانی معاشروں میں فلسفہ کا الگ وجود نہیں تھا۔ کائنات اور قوانین فطرت کی تشریح وتوضیح مذہبی عقائد کی روشنی میں کی جاتی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ جب انسان ارتقائی منازل طے کرتا رہا، انسانی احساس، شعور اور عقل نشوونما ہوتی رہی، تو انسان نے کائنات اور اس میں کارفرما قواعد وضوابط کا استدلالی تجزیہ شروع کیا۔ یہیں سے مذہب اور فلسفہ الگ الگ ہو گئے، مذہب کا تعلق عقائد، مذہبی رسومات اور ماورائے طبعی امور کیلئے استدلالی اور استخراجی طریقہ کار اپنا گیا، جس سے فلسفہ کی ایک نئی شاخ فلسفہ مذہب کے نام سے وجود میں آگئی۔

عقائد کے حوالے سے فلاسفروں کے دو بڑے مکاتب رہے ہیں۔ جس کی تقسیم روح اور مادے کی بنیاد پر رہی ہے۔ روحانیت فلاسفر مادی کائنات کے ساتھ ساتھ روح کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ روح مادی جسم کے علاوہ مستقل اور لا فانی تصور کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مادیت پسند فلاسفر انسان اور تمام کائنات کی تشریح وتوضیح صرف مادے اور مادی قوانین کی روشنی میں کرتے ہیں۔ صرف ان اشیاء کا وجود تسلیم کرتے ہیں جن کا دراک حواس خمسہ سے کیا جا سکتا ہے۔ وہ روح مادے سے کوئی الگ وجود نہیں بلکہ ترکیب عناصر سمجھتے ہیں۔ عام طور پر فلاسفروں نے جن عقائد کو موضوع بحث بنایا ہے، جزئیات سے قطع نظر کرکے وہ ایک اعلیٰ اور برتر ہستی کا تصور، روح اور اس کی ماہیت، کائنات کی تخلیق وارتقاء اور حیات مابعد الممات پر مشتمل ہیں۔

یونانی فلاسفروں میں فیثا غورث ۵۸۰ قبل مسیح، روحانیت پسند فلاسفروں کے سرخیل تسلیم کئے جاتے ہیں۔ وہ ایک ماہر ریاضی دان تھا۔ اس نے ریاضی ہی کے ذریعے کائنات کی وجود اور اس کی بقاء کی تشریح کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ تمام اعداد ایک عدد یعنی وحدت سے نکلے ہیں۔ اشیاء کا جوہر عدد ہے اور اعداد کا جوہر وحدت ہے۔ پھر وحدت دو قسم کی ہے، ایک وحدت جو تمام اشیاء اور اعداد کی اصل ہے۔ یہی وحدت خدائے واحد اور تمام دیوتاؤں کا دیوتا ہے۔ یہ وحدت مطلقہ ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی عدد نہیں ہے۔ دوسری واحد عددی ہے جو دو اور تین سے پہلے ہے یہ آضافی وحدت ہے۔ جس طرح اعدا دوحدت اور کثرت کے تخالف سے پیدا ہوتے ہیں

اسی طرح کائنات میں کثرت اور وحدت کی وضاحت علم لاعداد کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔ عقیدہ آخرت کی وضاحت انہوں نے تناسخ کے عقیدے سے کی ہے جس کے مطابق روح چونکہ معتوب خدا ہے اس لئے اس کو پاک کیا جائے تاکہ بار بار جسم سے نجات حاصل ہو جائے۔ (1)

فیثاغورث کے پیرو کار سقراط نے خدا کو واحد، عادل اور تمام جہانوں کا رازق قرار دے کر خیر وشر کی وضاحت کی۔ اس کے بعد افلاطون نے فلسفہ مذہب اور عقائد پر بحث کی ہے۔ افلاطون کی تعلیمات میں وحدت الوجود نظرئے کے ابتدائی خد وخال نظر آتے ہیں۔ ارسطو کے نزدیک خدا جسم سے بالاتر ہو کر خالص روح کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے اندر مادہ کا کوئی دخل نہیں۔ وہ فکر خالص ہے جو خود ہی اپنا موضوع فکر ہے۔ عقل ایسی اشیاء کے ادراک سے قاصر ہے۔ خدا کائنات کا نصب العین ہے، اور نصب العین کی طرف بڑھنے کا نام حیات وجود ہے۔ (2)

ہندی فلسفہ یونانی اور دیگر مغربی فلسفہ سے اس لئے مختلف ہے کہ اس کی بنیاد تجربی اور مشاہداتی حقائق کی بجائے ماورائی احساس پر ہے۔ اس میں روحانی تجربات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ ہندی فلسفہ کے مطابق خدا ہر جگہ موجود ہے، قادر مطلق ہے، ہر شئے سے باخبر، لامحدود اور غیر شخصی ہے۔ اس کی روح تمام کائنات پر ملسط ہے۔ وہ تمام صورتوں اور ناموں سے بالاتر ہے۔ وہ روح الارواح ہے اور تما شیاء اس کے اندر رہتے ہیں اور اسی کے توسط سے وجود رکھتے ہیں۔ مختلف دیوتاؤں کی پرستش اس لئے کی جاتی ہے کہ ان کی الوہی فطرت انسان کے اندر آسکے۔ (3)

مسلم فلاسفہ میں معتزلہ نے سب سے پہلے عقائد پر منطقی اور استدلالی پہلوؤں سے غور کیا۔ معتزلہ اپنے آپ کو اہل عدل وتوحید کہتے تھے۔ وہ اس حد تک توحید پسند تھے کہ وہ خدا کی صفات کو اس کی ذات سمجھتے تھے۔ اشاعرہ کے نزدیک خدا قدیم ہے، خدا واحد ہے، جسم نہیں، عرض نہیں۔ کسی چیز کے ساتھ مخصوص نہیں۔ خدا کی صفات کسی کیفیت اور بغیر کسی نسبت کے ہیں۔

ابن عربی کی شخصیت بڑی متنازعہ ہے۔ بعض علماء نے اسے کفر والحاد کو مرتکب گردانا اور بعض نے اسے بہت بڑا صوفی سمجھا۔ ابن عربی وحدت الوجود کا قائل تھا۔ یہ کہ خدا تمام اشیاء کا جوہر ہے، اس کی صفات اس کی ذات میں شامل ہیں اس سے علیحدہ نہیں۔

اخوان الصفا کے کو نیائی فکر پر نو افلاطونیت کا گہرا اثر ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ خدا تمام علوم اور انسانی فکر سے بالاتر ہے اور خدا کی ذات سے اس کائنات کا ظہور ہوا ہے اور ہر مادی دنیا مختلف مراتب سے ظہور پذیر ہوئی۔

---

(1) رشید احمد، تاریخ مذاہب، زمرد پبلی کیشن، لاہور، ۲۰۰۲، ص ۲۰۳ تا ۲۰۷

(2) ایضاً،

(3) مہاپتر، امولیہ رنجن، فلسفہ مذاہب، اردو ترجمہ یاسر جواد، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۰۱، ص ۱۶۶، ۱۶۷

مثلاً عقل اول، عالم ارواح، ابتدائی مادہ، فطرت، مکانی مادہ، کروں کی دنیا، دنیا کے عناصر اور دھاتیں۔ یہ آٹھ جواہر خدا جوہر مطلق سے مل کر نو بن جاتے ہیں۔ روح خدا کی طرف جاتی ہے۔

الکندی کے نزدیک مذہب اور فلسفہ ایک ہیں۔ وہ ایک ہی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اور وہ حقیقت اولیٰ خدا ہی ہے۔ اس کائنات نے خدا سے ظہور پایا۔ یہ تخلیق نہیں کی گئی بلکہ خدا کی بیکراں ذات کا ناگزیر بہاؤ ہے۔ جس طرح سورج کی شعاعیں سورج سے نکلتی ہیں اسی طرح کائنات نے خدا کی ذات سے ظہور پایا ہے۔

الرازی فیثا غورث، ایمپیڈوکلس، انکسا غورث اور ڈیموکریٹس سے متاثر تھے۔ رازی کے نزدیک اس کائنات کی تخلیق خالق کو مستلزم ہے۔ روح آفاقی کو مادے کے ساتھ ملاپ کیلئے کہا گیا تھا تاکہ حسی مسرتیں حاصل ہوسکیں، لیکن وہ باغی نکلا، جس پر خالق کو رحم آیا اور اس نے کائنات تخلیق کی۔

الفارابی کی رائے میں خدا بذات خود موجود ہے اور واجب الوجود ہے۔ فارابی نے مادہ اور صورت کے حوالے سے بھی وجود کو دیکھا۔ اور یہ رائے قائم کی کہ مادہ غیر متعین ہے اور صورت مادے کو متعین کرتی ہے۔ خدا واجب لوجود ہے اس کی ناموجدگی کے بارے میں سوچنا ناممکن ہے۔ ابن سینا نے صدور کا نظریہ پیش کیا تھا۔

غزالی کے نزدیک خدا قدیم ہے، اس طرح یہ عالم قدیم ہے۔ غزالی کی رائے میں خدا کا ارادہ آزاد ہے اور تمام علتوں کا خالق ہے۔ مشیت ازدی نے ایک خاص لمحے میں اس عالم کو تخلیق کیا۔ نیز خدا کا علم ادراکی نہیں تصوراتی ہے۔ غزالی نے نظریہ صدور کو رد کیا تھا۔ اس کے نزدیک کائنات کو عدم سے تخلیق کیا گیا ہے اور یہ خدا کی آزاد مشیت کی تخلیق ہے۔

ابن طفیل بڑے غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس کائنات کا یک خدا ہے، جو عاقل، علیم، رحیم اور آزاد مشیت کا حامل ہے۔ انسان پر خدا کی حقیقت منکشف ہوتی ہے اور وہ خدا کی ذات کا قائل ہو جاتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان فطری ماحول میں رہ کر کائنات کے مظاہر فطرت کے بارے میں غور وفکر کر کے خدا تک پہنچ سکتا ہے۔

ابن رشد کے نزدیک عالم ابدی ہے لیکن اس کی ابدیت ایک تخلیق اور محرک علت کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس خدا بغیر کسی علت کے ابدی ہیں۔ وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں تمام اشیاء عالم کا علم رکھتا ہے۔

مجدد الف ثانی نے وحدت الوجود کی تعبیر نو کی اور وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا۔ آپ توحید شہودی کے قائل تھے، جس سے مراد یہ کہ وجود کائنات اور ظہور آثار وصفات مختلف واحد مطلق کی ذات وصفات کا محل وعکس ہے۔

شاہ ولی اللہ خدا کو واجب الوجود مانتے ہیں اور یہ کہ اس کے علاوہ کوئی ایسی ذات نہیں کہ جو واجب الوجود ہو۔ اس کی توحید کا تقاضا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی ایسی ہستی تسلیم نہ کیا جائے جس کو معبود مان لیا جائے۔ وہ تمام کائنات کا خالق ہے کوئی اس کے علاوہ عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال کے نزدیک خودی عرفان الٰہی کا پہلا مرحلہ ہے۔ ذات باری تعالیٰ ایک لا محدود خودی ہے۔ اقبال خدا کو بھی ایک انائے مطلق اور ایک لا محدود خودی کے روپ میں دیکھتا ہے، اس کے نزدیک یہ کائنات باری تعالیٰ کا ایک جزوی اظہار ہے۔ (1)

مادیت پسند فلاسفروں کا تعلق زیادہ تر یونان اور مغربی ممالک سے رہا ہے۔ یونان میں مادیت پسند فلسفے کا آغاز طالیس سے ہوتا ہے، جس نے عالم کی حقیقت اور اس کی ماہیت پر غور پر کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ عناصر اربعہ یعنی ہوا، آگ، پانی اور مٹی کے ذریعے یہ عالم وجود میں آیا ہے اور ان عناصر اربعہ میں بنیادی عنصر پانی کا ہے۔ تاہم طالیس کا رجحان مادیت کے ساتھ ساتھ روحانیت کی طرف بھی تھا۔ جبکہ طالیس کے شاگرد انیکسی منڈر نے مادی رجحانات کو مزید فروغ دیا اور اس عالم کا بنیادی عنصر ایتھر کو قرار دیا۔ (2)

ابتدائی فلسفیوں کے ان خیالات نے مسلمہ عقائد اور تصورات کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ دیوتاؤں کے غیر فانی ہونے کی جگہ عناصر اربعہ نے لے لی۔ روحانی تصورات کی جگہ مادی خیالات وتصورات کو فروغ ملا۔ اس طرح تاریخ بشری میں مادے اور روح کی کشمکش شروع ہوئی۔ اعلیٰ وبرتر ہستی اور لافانی روح کی جگہ عناصر اربعہ نے لی اور مادی تصورات کو تقویت ملی۔

دیمقراطس نے عالم اجسام کو مادہ کی حرکت اور قوت اتصال کی مختلف صورتیں قرار دیا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ فضا جو ہم کو دکھائی دے رہی ہے اس میں مادہ منتشر ہے جن کی ابتدائی حالت ٹھوس ذرات کی سی ہے۔ ذرات کے مستحکم اتصال کا نتیجہ جسم ہے اور مادی قوت عالم اجسام کیلئے کافی ہے۔ روحانی یا الٰہی اثر سب فسانہ ہے۔ اس نے ذرہ لا یتجزٰی (Atom) کا نظریہ دیوتاؤں پر بھی لاگو کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ دیوتا بھی ذرات کے اتصال اور اجتماع سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے نزدیک انسان اور دیوتا میں صرف عقل اور قوت کی کمی اور زیادتی کا فرق ہے۔، ورنہ دیوتا بھی انہیں قوانین کے ماتحت ہیں جن کے انسان محکوم ہیں۔ وہ لوگوں کو ان دیوتاؤں سے ڈرنے کی بجائے ان کے ادب واحترام کی تاکید کرتا ہے۔ (3)

ہندوستانی فلسفہ میں چونکہ احساسات اور جذبات کو مرکزی اہمیت حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی

---

(1) لیاقت علی خان نیازی, ڈاکٹر، مطالعہ سیرت، پروگریسو پبلیشرز، ۱۹۹۳، ص ۲۱، ۲۲، ۲۳

(2) رشید احمد، تاریخ مذاہب، زمرد پبلی کیشن، لاہور، ۲۰۰۲، ص ۲۰۲ تا ۲۰۵

(3) ایضاً

فلاسفر مادے کی تشریح وتوضیح کرتے وقت روحانی پہلو کو زیادہ جگہ دیتے ہیں۔ تاہم ہندوستان کے مادیت پرست مکتبہ فکر میں برہسپاتی اور چاروکاس کا فلسفہ لوکایت قابل ذکر ہے جس کے مطابق جو چیز ہمارے حواس کے دائرہ میں نہیں، اس کا ادراک ممکن نہیں ہے، لہٰذا روح ایک سراب ہے، ایک وہمہ اور ایک وسوسہ ہے۔ آتما کا تصور ہی محض ایک حیلہ جوئی ہے جبکہ اصل حقیقت مادہ ہی ہے۔ (1)

جدید مغربی فلسفہ کی بنیاد زیادہ تر یونانی فلسفہ پر رکھی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روح اور مادے کا کشمکش مغربی مفکرین کے ہاں نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔ ایک طرف روحانیت پسند فلاسفر جبکہ دوسری ایسی مفکرین بھی ہیں جو مادیت کے سوا کسی چیز کے قائل نہیں ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں مادیت پسند فلاسفروں اور علمائے اجتماعیات کا عام خیال تھا، کہ انسان کے دینی عقائد کی ابتداء ان اوہامی تصورات سے ہوئی جو اس کی ابتدائی معیشت کے طبعی تقاضوں اور احوال وظروف کے اثرات سے قدرتی نشوونما پانے لگے۔ یہ تصورات قانون ارتقاء کے ماتحت درجہ بدرجہ مختلف کڑیوں سے گزرتے رہے اور بالآخر انہوں نے اپنی ترقی یافتہ صورت میں ایک اعلیٰ ہستی اور خالق خدا کے عقیدے کی نوعیت پیدا کرلی۔ گویا اس سلسلہ ارتقاء کی ابتدائی کڑی اوہامی تصورات تھے، جن سے طرح طرح کی الٰہی قوتوں کا تصور پیدا ہوا اور پھر اسی تصور نے ترقی کرتے ہوئے خدا کے ایک توحیدی اعتقاد کی شکل اختیار کرلی۔ عقائد کے بارے جدید فلسفیانہ نظریات میں، جن کی بنیاد ارتقائی نظرئے پر رکھی گئیں تھیں، ان میں اجداد پرستی، ہربرٹ سپینسر کا آسیبی نظریہ، ای۔ بی۔ ٹیلر کا نظریہ اینمزم، ٹوٹمیت اور ڈرخیم کے نظریہ جادو نے شہرت حاصل کرلی تھی۔ (2)

اس کے ساتھ ساتھ کئی علماء اور دانش وروں کا خیال یہ بھی تھا کہ انسان کے دینی عقائد کی جس نوعیت کو اعلیٰ اور ترقی یافتہ قرار دیا گیا تھا وہ بعد کے زمانوں کی پیداوار نہیں بلکہ جمعیت بشری کی سب سے پرانی متاع ہے۔ مظاہر پرستی، حیوانی انتساب کے تصورات، اجداد پرستی کی رسوم اور توہمات کی اشاعت سے پہلے جو تصور بہت پہلے انسانی دل ودماغ کے افق پر طلوع ہوا تھا وہ ایک اعلیٰ ترین ہستی کی موجودگی کا بے لاگ تصور تھا یعنی خدا کی ہستی کا توحیدی اعتقاد تھا۔ چنانچہ پروفیسر ڈبلیو۔ شمٹ لکھتے ہیں:

> ''علم شعوب وقبائل اور انسان کے پورے میدان میں اب پرانا ارتقائی مذہب یکسر دیوالیہ ہو چکا ہے۔ نشوونما کی مرتب کردہ کڑیوں کا وہ خوشنما

---

(1) ول ڈیورانٹ، تاریخ، تہذیب، تمدن، فلسفہ ہندوستان، مترجم طیب رشید، تخلیقات علی پلازہ لاہور، ۲۰۰۰، ص ۴۵

(2) ارتقائی نظریات کیلئے ملاحظہ ہو، علی عباس جلالی پوری کی کتاب ''انسان اور کائنات'' اور ای۔ او۔ جیمز، کی کتاب Comparative Religion والٹر۔ ایچ۔ کپس کی کتاب Ways of understanding of Religion اور ای۔ بی ٹیلر کی کتاب Primitive Culture۔

سلسلہ جو اس مذہب نے پوری آمادگی کے ساتھ تیار کیا تھا، اب ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے اور نئے تاریخی رجحانات نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہے۔ اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان کے ابتدائی عمران وتمدن کے تصور کی ''اعلیٰ ترین ہستی'' فی الحقیقت توحیدی اعتقاد کا خدائے واحد تھا اور انسان کا دینی عقیدہ جو اس سے ظہور پذیر ہوا وہ پوری طرح ایک توحیدی دین تھا''۔ (1)

(1) ڈبلیو۔ شمٹ، دی اوریجن اینڈ گروتھ آف ریلجن، بحوالہ مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ص ۱۶۶